علمی و تحقیقی

خدمات

وقت اور حالات کی مناسبت سے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب نے متعدد علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں اور مختلف موضوعات پر سیکڑوں مقالات و مضامین تحریر کئے ہیں۔آپ کی بعض تصانیف ہندوستان ہی نہیں، بلکہ دنیا بھر میں مقبول عام ہیں۔جن کی علما ءاور محققین نے نہ صرف ستائش کی ہے، بلکہ اسے عامة المسلمین کیلئے مفید ترین بتایا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف عنوانات پر سیمیناروں کے لئے جو گراں قدر علمی مقالات تحریر کئے ہیں وہ بھی محققانہ اور بیش قیمتی ہیں۔ (۱) مجاہد کی للکار (۲) مقامات مقدسہ (تخریج وتشریح) (۳) زکوٰۃ اور اس کا مصرف (اردو، انگریزی) (۷) مجموعہ رسائل علامہ ٹانڈویؒ (۸) ذکرا قائما ،20ویں صدی کے علماء گجرات کی حیات، علمی و دینی خدمات (۹) اسلام اور امن و آشتی (زیر طبع) (۱۰) ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا کردار (زیر طبع) (۱۱) راہ عمل (۱۲) ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (۱۳) دینی مدارس ،ماضی حال اور مستقبل ،تقاضے، چیلنجیز اور ان کا حل (۱۴) قادیانی دائرہ اسلام سے خارج (۱۵) اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں (۱۶) قادیانیوں کو غور وفکر کی دعوت (۱۷) (خطبۂ حجة الواع (اردو، انگریزی) وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ان میں سے بعض تصانیف اور علمی و تحقیقی مقالات کا ذکر ناگزیر ہے۔

مقامات مقدسہ

مقامات مقدسہ کی زیارت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے والے عازمین حج پر ہی موقوف نہیں عام لوگ بھی اپنی گفتگو میں روزمرہ کے محاورے کے طور پر اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ان میں سے جانے کتنوں کو یہ علم نہیں کہ یہ کہاں ہیں؟ کون سے ہیں؟ کتنے ہیں؟ ان کی بنیادیں کیا ہیں؟ ان کی حفاظت کے کیا معنٰی ہیں؟ خداوند قدوس نے 3 مقامات قدس کے شہر، طور سینا کے پہاڑ اور بلد امین کی قسم کھائی ہے اور منجملہ مخلوقات میں بنی نوع انسانی کو احسن تقویم کا تمغۂ فضیلت عطا کیا ہے۔آخر انہیں کیوں منتخب کیا گیا؟ ان میں

بزرگی اور تقدس کی کون سی خصوصیات ہیں اور انسانی جمال وکمال سے ان کا کیا واسطہ ہے؟ انہی سوالات کا تشریحی و تفصیلی جواب حضرت حکیم الاسلام کی مایہ ناز تصنیف ’مقامات مقدسہ‘ ہے۔

’مقامات مقدسہ‘ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی آخری تصنیف ہے جس کی بنیاد اُس وقت پڑی جب انھیں 5 فروری 1964 کو مصری سفارت خانہ دہلی کی معرفت متحدہ عرب جمہوریہ کی طرف سے ایک مراسلہ موصول ہوا۔اس میں انہیں قاہرہ کی عالمی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔5 مارچ 1964 کو اُن کی روانگی ہوئی اور وہ چند گھنٹوں میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔دو ہفتے جاری رہنے والی اس کانفرنس میں عہد حاضر کے مسائل پر مقالات، مباحث اور مناقشات ہوئے۔کانفرنس کے اختتام پر وہ اردن وشام کے سفر پر روانہ ہوئے اور واپسی میں انہیں حجاز مقدس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔اس طرح وادیٔ سینا کی گشت، طور سینین کی رہ گزر، مسجد اقصیٰ کی زیارت اور بلد امین میں حاضری، موضوع ہٰذا پر قلم اُٹھانے کا سبب بنی۔دلائل وشواہد ملنے کے بعد یہ ارادہ مزید مستحکم ہوتا چلا گیا کہ عالم اسلام کی اساسی وحدت اور عالمی تنظیم قطعی طور پر عرب ممالک بالخصوص مصر، شام اور حجاز کے اتحاد و ربط باہمی پر موقوف ہے۔مسلمانوں کے حق میں اسلامی حیثیت سے عرب ہی ابتدا میں امام تھا اور آخری دور میں بھی یہ رتبہ اسے حاصل رہے گا۔

’’مقامات مقدسہ‘‘ کا بنیادی ماخذ ’’والتین والزیتون‘‘ کے الفاظ، حسن سیاق وسباق، اعجازی بیان اور معجزانہ نظم ہے جسے سورہ کو سامنے رکھ کر تشریح کرنے کا نام دیا گیا ہے۔انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مقامات بھی تقدس کی بنیاد اور اقوام عالم کا مولد ومنشا ہیں۔اس میں تقدیس ساز مقامات قبلہ اول مسجد اقصیٰ، سرزمین کعبہ اور طور کی چوٹی کی تقدیس وفضائل کو علمی انداز میں پیش کرنے کے ساتھ بیت اللہ کی مرکزیت اور شام ومصر کی خصوصیات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کے فکری مطالعہ کے بعد اپنی خداداد ذہانت وفطانت اور معرفت ومحبت کی نظروں سے مقامات مقدسہ سے

جو کچھ حاصل کیا اسے اپنی آخری بے مثل تصنیف میں سمو دیا۔ 6 سال کی محنت اور عرق ریزی ان اہم زیارت گاہوں سے متعلق ہے جو عرب ممالک میں ہمیشہ سے اہل اسلام کی عقیدت ومحبت کا مرکز رہی ہیں۔ اسے ان کی فراست ایمانی کا شاہکار بھی کہا جاسکتا ہے جسے ان کے صاحبزادے مولانا اسلم قاسمی نے نہ صرف یہ کہ سنبھالا بلکہ منتشر اوراق کو ترتیب دینے کے ساتھ اپنی نگرانی میں تصحیح وتزئین کرا کے قارئین تک پہنچایا۔

مقامات مقدسہ قاری محمد طیبؒ نے عمر کے اس مرحلہ میں مکمل کی جب وہ حد درجہ ضعف ونقاہت کے شکار تھے۔ ان کی جسمانی وذہنی قوت بھی ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ قضیۂ نامرضیہ دارالعلوم دیوبند سے بھی غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ ضروری حذف واضافہ نہ ہونے کے سبب اور پہلے ایڈیشن کی کوششوں کے باوجود غلطیاں راہ پا گئیں تھیں جسے حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے نہ صرف یہ کہ دور کیا بلکہ دلائل کی تخریج وتشریح کے ساتھ قرآنی آیات واحادیث کی تخریج کرتے ہوئے ضروری اضافہ کے ساتھ حسن طباعت سے مزین کر کے شائع فرمایا اور نہ صرف ہندوستان، بلکہ دنیا بھر کے اہل علم اور کتب خانوں میں پہونچانے کا فریضہ حسبتاً للہ انجام دیا۔

ذکراً قائماً، 20ویں صدی کے علماء گجرات کی حیات، علمی ودینی خدمات

فن حدیث کے پہلے مصنف اور امام سفیان ثوری، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام وکیع بن جراح اور امام علی بن عاصم کے استاذ ہونے کا شرف جس ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری کو حاصل ہے وہ سرزمین 'گجرات' سے تعلق رکھتے تھے۔ تقریباً تیرہ صدی ہجری قبل علوم وفنون کے حوالے سے گجرات 'شیراز' بن گیا تھا تو حدیث کی خدمات کے تعلق سے 'یمن میمون' سے مماثلت بھی رکھتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو ہندوستان میں علم حدیث کی نشر واشاعت کا پہلا عالم قرار دیا جاتا ہے جبکہ ان کی ولادت سے قبل ہی یہاں شیخ الاسلام زکریاؒ، شمس الدین سخاوی اور علامہ ابن حجر مکیؒ کے تلامذہ تشنگا حدیث کو سیراب کر رہے تھے۔

مشاہیر علماء متقدمین نے علم ومعرفت کی جو قندیلیں یہاں روشن کیں ان کی ضیا پاشی رہتی دنیا تک برقرار رہے گی۔ عہد بہ عہد علماء کی جماعت نے اکابر ومشائخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تعلیم وثقافت کے شعبے میں اپنی کارکردگی درج کرائی ہے۔ بیسویں صدی کے علماء بھی اس حوالے سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی تالیف بیسویں صدی کے علماء گجرات کی حیات علمی و دینی خدمات، اصحاب سلوک ومعرفت سے متعارف کرانے کی ممتاز ومنفرد کوشش ہے۔ اگرچہ موضوع ہذا پر گجرات کے مشاہیر علماء اور تذکرہ اکابر ڈیڑھ دہائی قبل منظر عام پر آچکے ہیں جن میں چند مرحومین علماء کے کارہائے نمایاں کا ذکر موجود ہے جن سے یہ کتاب ان معنوں میں منفرد ہے کہ اس میں متقدمین کے ساتھ ان حضرات کا بھی ذکر ہے جو علم دین کی توسیع میں عرصہ دراز سے سرگرم ہیں۔ مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا یعقوب اسمٰعیل منشی قاسمی، مولانا مفتی احمد دیولوی، مولانا محمد ابراہیم مظاہری، مفتی احمد ابن محمد خان پوری، مولانا محمد حسن سعید بزرگ، مولانا مفتی عباس بسم اللہ، قاری اسمٰعیل بسم اللہ، مولانا محمد موسیٰ اسمٰعیل ماکروڈ، مولانا محمد ہاشم حسن پٹیل، مولانا محمد سعید بزرگ، مولانا مفتی عبداللہ پٹیل مظاہری، مولانا غلام محمد وستانوی اور مولانا محمد ایوب سورتی قاسمی، مولانا محمد عبدالحئیؒ کفلیتویؒ، مولانا احمد اللہؒ، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ، مولانا محمد رضا اجمیریؒ، مولانا محمد بن موسیٰ سورتی افریقیؒ، مولانا محمد عمر پالنپوریؒ، مولانا محمد سعید راندیریؒ، مفتی مرغوب احمد لاجپوریؒ، مولانا محمد یوسف لاجپوریؒ وغیرہ کی دینی اور تدریسی خدمات، تصنیفات وتالیفات اور مدارس کی بنیاد ڈال کر پروانہ علم کو شمع ہدایت کی جانب لانے کا شغل لائق صد تحسین ہے، مفتی صاحب نے گجرات کے مشاہیر علماء متقدمین کا اجمالی وتفصیلی تذکرہ کرنے کے ساتھ سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ پر بھی گفتگو کی ہے، گجرات کے قدیم وجدید مدارس کے ضمن میں ان مدرسوں کا تعارف کرایا گیا ہے جن تک ان کی رسائی کتب اور دیگر ذرائع سے ہوسکی ہے۔ مفتی صاحب کی اس کاوش کی ہر طرف پذیرائی ہوئی ہے۔

قادیانی تحریک کے خمیر میں کذب وافترا کی کارفرمائی ہے۔ قادیانیت کا پروپیگنڈہ کرکے اس کی قوت کو نمایاں کیا گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے رنگ برنگے اعجازی وکراماتی جھوٹ ایسے ہیں جو اُن کی مصنوعی نبوت اور دیسی مسیحیت کو داغدار بناتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ دروغ گوئی کے پیغمبر ہیں۔ اگر کوئی بھی صاحب عقل و اہل دانش وبینش غور وفکر کرے تو ان کی تحریروں اور دعووں میں حد درجہ تناقض صاف نظر آتا ہے۔ ایسی باتوں کو زبان پر لانے والے کو خدا کا فرستادہ تو دور شرفاء میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ 'روحانی خزائن' میں جو کچھ ہے اس سے قادیانی لاکھ دامن بچائیں مگر مستند حوالوں سے اعراض نہیں کرسکتے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بانی تحریک کذب کے حوالے سے خود کہتے ہیں۔ 'ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہوجائے تو پھر دوسری باتوں میں اس پر اعتبار نہیں رہتا۔(۱) ایک دوسری جگہ وہ اس حوالے سے رقم طراز ہیں۔ 'ہمارا ایمان ہے کہ خدا پر افترا کرنا پلید طبع لوگوں کا کام ہے۔(۲) ایسے امام کی اندھی تقلید کرنے والے اگر ذرا بھی دین وشریعت اور قرآن وحدیث کا فہم رکھتے تو ضرور حقائق کی جانب رجوع کرتے۔

علامہ نور محمد ٹانڈوی نے 'روحانی خزائن' اور دیگر کتابوں کو سامنے رکھ کر 'کذبات مرزا، مغلظات مرزا، اختلافات مرزا، کفریات مرزا اور کرشن قادیانی آریہ تھے یا عیسائی' کی تالیف کی ہے جسے مجموعۂ رسائل علامہ ٹانڈوی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ پانچوں کتابیں الگ الگ ہیں جنھیں یکجا کردیا گیا ہے۔ اس پر مولانا شاہ عالم گورکھپوری نے حاشیہ لگایا ہے۔ یہ فتنۂ قادیانیت کتنا سنگین ہے اس کا اندازہ حسب ذیل کلمات سے لگایا جاسکتا ہے جس میں خود کو ارفع واعلیٰ جتلانے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے نئے نئے شگوفے چھوڑے ہیں۔

۱۔ چشمہ معرفت صفحہ 231
۲۔ اربعین نمبر 3 صفحہ 406

- قرآن نے میری گواہی دی ہے، رسول اللہ نے میری گواہی دی ہے۔ پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کردیا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے، اور میرے لئے آسمان نے گواہی دی اور زمین نے بھی۔ اور کوئی نبی نہیں جو میرے لئے گواہی نہیں دے چکا۔(۱)
- میں (مرزا قادیانی) نے خواب میں دیکھا کہ ہو بہو اللہ ہوں اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں۔(۲)
- دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں 'خدا کے مانند'۔(۳)
- قرآن کریم خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔(۴)
- جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں، اور یہ دعویٰ میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے بار بار میرے اوپر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے، آریوں کا بادشاہ۔(۵)
- میرے ہاتھ پر چار لاکھ کے قریب لوگوں نے اپنے معاصی اور گناہوں اور شرک سے توبہ کی۔(۶)
- اور میرا یہ بیان ہے کہ میرے تمام دعاوی قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور اولیاء

۱۔ تحفۃ الندوۃ صفحہ 96
۲۔ آئینہ کمالات اسلام خزائن صفحہ 564
۳۔ اربعین صفحہ 413
۴۔ حقیقۃ الوحی خزائن صفحہ 87
۵۔ تتمہ حقیقۃ الوحی خزائن صفحہ 522
۶۔ تجلیات الٰہیہ صفحہ 397

گذشتہ کی پیش گوئیوں سے یہی ثابت ہے۔(۱)

- کبھی فاسق اور فاجر اور بدکار بھی سچا خواب دیکھ لیتا ہے اور یہ سب روح القدس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہے۔(۲)
- اور آپ سے پوچھا گیا کہ کیا زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے تو فرمایا کہ ہاں خدا کا کلام پارسی میں بھی اترا ہے، جیسا وہ اس زبان میں فرماتا ہے۔ ایں مشت خاک راگر نہ بخشم چہ کنم (۳)
- ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔(۴)
- حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل دجال شیطان کا نام ہے۔(۵)
- صاحب تفسیر (تفسیر ثنائی) لکھتا ہے کہ ابو ہریرہؓ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابو ہریرہؓ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت وفہم میں بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔(۶)
- حدیثوں سے صاف طور یہ بات نکلتی ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت محمدﷺ بھی دنیا میں ظاہر ہوں گے۔(۷)
- اے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص (مرزا قادیانی) کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے

۱۔ حاشیہ ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ 260
۲۔ دافع الوساوس صفحہ 80
۳۔ ضمیمہ چشمہ معرفت صفحہ 382
۴۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ 245
۵۔ ایام الصلح صفحہ 296
۶۔ براہین احمدیہ صفحہ 410
۷۔ نزول المسیح صفحہ 384

پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔(۱)

- حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔(۲)
- اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم کہیں کہ داؤد کرشن تھا یا کرشن داؤد تھا۔(۳)
- تاہم مسلمانوں کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے۔(۴)

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اس فتنہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ "لیکن ارباب فکر ونظر کا فیصلہ یہ ہے کہ قادیانیت محض ایک فرقہ نہیں بلکہ یہ فتنہ اسلامی تاریخ کا سب سے خطرناک فتنہ ہے، کیونکہ قادیانیت ایک مستقل دین اور متوازن امت کی دعوت ہے، یہاں پورا دینی نظام ترتیب دیا گیا۔ شعائر کے مقابلہ میں شعائر، مقدسات کے مقابلہ میں مقدسات، مرکز کے مقابلہ مرکز، قبلہ کے مقابلہ میں قبلہ، محبت کی جگہ پر محبت، عظمت کی جگہ پر عظمت، ایک طریق فکر واستدلال کی جگہ پر دوسرا طریق فکر واستدلال، کتابوں کی جگہ پر کتابیں، ہر چیز کا انہوں نے بدل مہیا کیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی تقویم کے قمری وہجری مہینوں کے مقابلہ میں مہینوں کے نئے نام رکھے ہیں جس کا صاف مطلب ہے کہ قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔ بہار کے مسلم اکثریتی کئی اضلاع میں قادیانیت کا منحوس سایہ مسلمانوں کی غفلت اور سرکاری سرپرستی کی وجہ سے منڈلا رہا ہے جس کے انسداد کے لئے حضرت مفتی صاحب نے علامہ ٹانڈویؒ کے تمام رسائل کو کتابی شکل میں ترتیب دے کر شائع فرمایا۔ اس طرح یہ گراں قدر رسائل ایک عرصہ بعد نئے انداز میں منظر عام پر آیا ورنہ اس کا شدید خطرہ تھا کہ یہ رسائل معدوم ہو جاتے اور امت ان کے استفادہ سے محروم ہو جاتی۔

۱۔ اربعین صفحہ 442
۲۔ چشمہ مسیحی صفحہ 346
۳۔ براہین احمدیہ صفحہ 117
۴۔ (کشتی نوح صفحہ 65)

قادیانیوں کو غور وفکر کی دعوت

اس کتاب کے مولف حضرت قاضی اشرف حسین صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، مگر یہ کتاب ۹۴ سال سے نایاب تھی۔ حسن اتفاق کہ اس کا ایک نسخہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے نائب ناظم حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری مدظلہ کو دستیاب ہوا، حضرت موصوف نے تربیتی کیمپ کے موقع پر بغرض طباعت حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کو دیا جسے آپ نے حسن طباعت سے آراستہ فرما کر شائع فرمایا ہے۔ حضرت مونگیریؒ کے مرید باصفا جناب قاضی اشرف حسین صاحب کی تحریروں اور کارناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک عظیم انسان اور سپول کے علاقہ میں تحفظ ختم نبوت کے بیباک مجاہد تھے۔ انہوں نے تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر اپنے ایک شناسا محسن نامی قادیانی کو جو خط لکھے ہیں ان میں سے دوسرے نمبر کا خط ''جواب حقانی'' کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہو کر مقبول خاص وعام ہوا مگر افسوس کے یہ کتابچہ ایک صدی سے نایاب تھا۔ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب نے اپنے بزرگوں کی علمی میراث کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا اور اسے منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا۔ اس میں قاضی صاحبؒ کا مختصر سوانحی خاکہ بھی شامل ہے جسے حضرت مولانا صغیر احمد رحمانی نے مرتب کیا ہے۔

مقالات

و

مضامین

قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی حقیقت

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمه البیان، وأنزل علیه القرآن، والصلوٰة والسلام علی محمد وعلیٰ آله وأصحابه الابرار. أجمعین امابعد!

قرآن کریم کے اعجاز بیانی پر نقد ونظر کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ یہ کلام جس مقدس ذات کا ہے انسان اس کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان اس احسن الکلام کی تفسیر وتوجیہ اور تنقیح وتوضیح کا بھرپور حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن پاک کی ہر آیت کا ہر لفظ اپنے اندر جامع مفاہیم رکھتا ہے۔ قرآن کریم کا سب سے بڑا اعجاز بیانی یہ ہے کہ اسے کسی خاص زمانہ، خاص وقت اور کسی خاص قوم وملک سے باندھ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کے اعجاز بیانی کی وسعت وہمہ گیری انسان کی تمام تر علمی صلاحیتوں کے احاطہ میں نہیں سماسکتی۔ اس لئے تمام بڑے اور جید علماء تفسیر وترجمہ نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور لیاقتوں کو بروئے کار لانے اور بہتر سے بہتر ترجمہ وتفاسیر کردینے کے باوجود خود کو عاجز وکمزور پایا اور اعتراف کیا کہ قرآن کا اعجاز بیانی علوم کا وہ بحر بیکراں ہے جس کی غوطہ خوری انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایسے موضوع پر کچھ لکھنا مجھ جیسے کم علم کے بس میں بھی نہیں۔ تاہم یہ سوچ کر کہ سعادت نصیب ہوجائے اور کم از کم کوشش کا ثواب بھی مل جائے، میں نے اپنی کم مائیگی کو سامنے لاتے ہوئے خامہ فرسائی کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علوم قرآن کے تمام مباحث پر قرن اول سے اب تک ہر پہلو اور ہر زاویہ سے بحث کی جاتی رہی ہے، لیکن پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہوسکا اور اب بھی وہ تشنہ معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے مباحث کی طرح اعجاز قرآن کا موضوع بھی ابتدا ہی سے زیر بحث رہا ہے۔ قرآن کریم کن معنوں میں معجزہ ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کی وجہ سے ادب، فصاحت

وبلاغت اور بدیع وبیان کے نام سے مستقل فن کی بنیاد پڑی۔ اس فن کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ خالصاً اسلامی ہے اور جذبۂ خدمت قرآن کا پروردہ ہے۔

زملکانی، سکاکی، جرجانی، رازی اور جاحظ جیسے ائمہ ادب نے اسے اس لائق ٹھہرایا ہے کہ اس کی روشنی میں ہم قرآن کریم کی عظمت، اعجاز بیانی اور ادبی پیرائے کا اندازہ کرسکتے ہیں، قرآن کریم میں اعجاز بیانی کے کون کون سے پہلو خصوصیت کے حامل ہیں اس سلسلے میں ادب ولسانیات کے اداشناسوں نے مختلف موقف اختیار کیے ہیں۔

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اس کی حقانیت کی واضح دلیل اس کا اعجاز ہے۔ یعنی ایک ایسا کلام جس کی نظیر پیش کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، اسی وجہ سے اس کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے۔

پہلے بنیادی طور پر دو باتیں سامنے رکھنی ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ فصاحت وبلاغت اور کلام کی سحر انگیزی ایک ایسی صفت ہے جس کا تعلق سمجھنے اور محسوس کرنے سے ہے اور پوری حقیقت وماہیت کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ آپ تلاش وجستجو اور استقراء کے ذریعہ فصاحت وبلاغت کے اصول وقواعد مقرر فرماسکتے ہیں، لیکن درحقیقت ان اصول وقواعد کی حیثیت فیصلہ کن نہیں ہوتی۔ کسی کلام کے حسن وقبح کا آخری فیصلہ ذوق اور وجدان ہی کرتا ہے۔ جس طرح ایک حسین چہرے کی کوئی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی اسی طرح کسی کلام کی فصاحت وبلاغت کو بیان کردینا ممکن ہے، لیکن جب کوئی صاحب ذوق انسان اسے سنے گا تو اس کے محاسن ومعائب کا خود بخود پتہ چل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ فصاحت وبلاغت کے معاملہ میں ذوق بھی صرف اہل زبان کا معتبر ہے کوئی شخص کسی غیر زبان میں خواہ کتنی مہارت حاصل کرلے لیکن ذوق سلیم کے معاملہ میں وہ اہل زبان کا کبھی ہم سر نہیں ہوسکتا ہے۔

اب ذرا زمانہ جاہلیت کے اہل عرب کا تصور کیجئے۔ خطابت وشاعری ان کے معاشرہ کی روح رواں تھی۔ عربی شعروادب کا فطری ذوق ان کے بچے بچے میں سمایا ہوا تھا۔ فصاحت وبلاغت ان کے رگوں میں خون حیات بنکر دوڑتی تھی۔ ان کی مجلسوں کی رونق، ان کے میلوں

کی رنگینی، ان کے فخر وناز کا سرمایہ اوران کی نشر واشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعروادب تھا اور انہیں اس پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا تمام اقوام کو ''عجم'' (گونگا) کہا کرتے تھے۔

ایسے ماحول میں ایک امی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلام پیش کیا جو حکیمانہ چیلنج اوراعجاز ہے۔

اول تو قرآن مجید نے سورہ طور میں ان کو چیلنج کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

" اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَل لَّا يُؤْمِنُوْنَ، فَلْيَأْتُوْ بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ "۔(سورۃ طور آیۃ 34-33)

(کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے
دراصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے، اچھا اگر
یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو اسی جیسی شان کا کلام بنالائیں)

پھر قرآن نے سورہ ہود میں چیلنج کیا:

" اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ''.2 (سورہ ہود آیۃ 13)

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گڑھ لی ہے!
کہو اچھا یہ بات ہے تو تم اسی جیسی صرف دس سورتیں تصنیف
کر لاؤ اور اللہ تعالی کے سوا تم اور جو بھی تمہارے معبود ہیں
ان کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو تو بلالو۔ اگر تم سچے ہو)

اسی طرح رفتہ رفتہ صرف ایک سورۃ لانے کا مطالبہ کیا اور چیلنج میں شدت وقوت پیدا کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ''.1۔(سورۃ یونس آیۃ 38)

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اسے خود گڑھ لیا ہے۔ اے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کہو کہ اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ
ہی اس کی جیسی (شان وعظمت والی) تصنیف کر لاؤ، ایک اللہ
کے سوا تم اپنی مدد کے لئے جس جس کو بلا سکتے ہو بلاؤ)

یہ سب کچھ مکی زندگی میں ہوا، حالانکہ اس وقت بھی ان کی فصاحت وبلاغت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ لیکن قرآن حکیم سے معارضت یا مقابلے کی جنگ میں عاجز ہو کر گویا زبان وبیان کے شہسوار گونگے ہو گئے تھے۔

قرآن مجید کا ہر چیلنج علم وخرد اور دلوں پر حاوی ہوتا جارہا تھا، لیکن ان کی انانیت مجروح ہو رہی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ وہ حق جان کر ماننا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی، بلکہ ان کی جاہلانہ عصبیت اجازت دیتی تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق اور قرآن مجید کو کتاب الہی مان کر گھٹنے ٹیک دیں۔ ورنہ لغت کے اعتبار سے یہ ان کی جہالت نہیں، بلکہ جیسا کہ تاریخ ادب عربی کے مؤلف ڈاکٹر عمر فروخ نے کلمہ جہالت کی تعریف میں لکھا ہے۔

''**الجهل ضد الحلم**'' تھا، ''**الجهل ضد العلم**'' نہیں۔ یعنی علم کے خلاف نہیں، بلکہ عقل ودانش اور حق پرستی کے خلاف تھی، اس لئے وہ قرآن کے زوردار حملوں سے گھبرا کر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے:

"لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ".2(سورہ حم السجدہ 26)

(اس قرآن کریم کو سنو ہی نہیں، بلکہ جب محمد صلی اللہ علیہ
وسلم سنائیں تو ایسا شور مچاؤ کہ قرآن مجید سنائی نہ دے شاید
اسی طرح تم غالب آجاؤ)

اس چیلنج کی تجدید مدنی دور میں ہوئی، سورۃ بقرہ میں ان کو توحید کی دعوت دی گئی اور یہی ان کی دکھتی رگ تھی۔ ارشاد ہوا:

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَن تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ"۔ 1(سورہ بقرہ آیۃ 24-23)

(اگر تمہیں اس قرآن پر شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر
نازل کیا ہے تو تم اس جیسی عظمت والی ایک ہی سورۃ بنا کر
لے آؤ اگر تم سچے ہو تو یہ کر کے دیکھا دو اگر تم یہ نہ کر سکے،
بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تم ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تو پھر اس جہنم
کی آگ سے بچنے کے لئے تیاری کر لو جس کا ایندھن
انسان اور پتھر بنیں گے)

اس خوفناک انداز میں جو دھمکی دی گئی وہ محض وقتی نہیں تھی، بلکہ آئندہ بھی وہ اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکتے تھے اور حقیقت اب ان پر روشن ہوگئی تھی۔

منکرین قرآن پر اعجاز قرآن کے ثبوت میں یہ قول حق بھی ثابت ہوگیا:

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ و الْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَايَأْتُوْنَ بِمِثْلِه وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً". (سورۃ الاسراء آیۃ 88)

(اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہدیں کہ اگر
انسان اور جنات سب مل کر بھی کوشش کریں کہ اس قرآن عظیم
جیسی کوئی کتاب تیار کر لیں تو وہ کبھی ایسی کتاب نہ پیش کر سکیں
گے خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں)

وجوہ اعجاز قرآنی

یعنی وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ میں مختصراً ان وجوہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

اعجاز قرآنی کی پہلی وجہ

اولاً غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ قرآن مجید کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی؟ کیا وہاں ایسے علمی ماحول کا وجود تھا جن کے ذریعہ ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اولین و آخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے۔

جس سرزمین پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں، جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے، نہ کوئی کھیت نہ درخت۔ جس میں کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی یونیورسٹی یا دارالعلوم، لیکن وہاں کے رہنے والوں کو اللہ نے پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہاں کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ایسے فصیح و بلیغ اشعار کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جاتے ہیں۔

لیکن یہ سب ان کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا، الحاصل نہ وہاں تعلیم و تعلم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے لگاؤ ہے۔ اسی مکہ شہر میں ایک شریف گھرانے میں وہ ذات مقدس پیدا ہوئی جو محیط وحی ہے اب اس ذات مقدس کا حال سنئے۔

پیدا ہونے سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، سات سال کی بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہوگئی، آباء واجداد نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا جس سے یتیم کی پرورش کا سامان ہو سکے اور عمر کا ابتدائی حصہ گذار سکے جو تعلیم و تعلم کا اصلی وقت ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے، وہاں کوئی بڑا عالم بھی نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جا سکیں،

جن کا قرآن حامل ہے۔ یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنے برادری کے سامنے رہتے ہیں، ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان مبارک پر وہ کلام آنے لگا جسکا نام قرآن ہے اور لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے محیر العقول ہے، تو پھر اس کے معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے نظیر بھی نہ ہوتی جب بھی ایک امی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن کی وجوہ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

اعجاز قرآنی کی دوسری وجہ

عرب سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں اور عربوں نے اپنی خاص مجلسوں میں قرآن کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا اور جو ان میں منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا۔ قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا۔

''اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قوم کے ایک نوجوان تھے اور تم سب ان کے عادات و اخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے، اب جب کہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کلام سے کوئی مناسبت نہیں اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا ہے اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت

نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنوؤں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان کے مختلف کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔'' (۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت اختیار کی، بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہوتی، یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔

اعجاز قرآنی کی تیسری وجہ

قرآن کریم میں غیب کی اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں، اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداءً فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گذرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبرؓ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آ گئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی، اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی، وہ مال ان کو دینا پڑا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا، اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ (۲)

۱۔ خصائص کبریٰ ص144 ج1

۲۔ معارف القرآن ص97 ج1

اعجاز قرآنی کی چوتھی وجہ

قرآن عظیم میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء یہود ونصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتداء دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچی سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبر دی ہو۔(۱)

اعجاز قرآنی کی پانچویں وجہ

کتاب اللہ کی بے شمار آیات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی ہے اور پھر ان کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کرسکتا ہے، کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں۔

اعجاز قرآنی کی چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی، وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد سے متعلق یہ پیشنگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کرسکیں گے، اور پھر وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کرسکے۔ جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کا دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو وہ موت کی تمنا کرکے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا:

”ولن یتمنوہ ابدا“ (وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرسکیں گے) کیوں کہ ان کے

ا۔ معارف القرآن ص98 ج1

دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے۔ اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے فوراً مرجائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کردے۔(۱)

اعجاز قرآنی کی ساتویں وجہ

فرمان ربانی کے اعجاز کی ایک وجہ وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص وعام اور مومن وکافر پر طاری ہوتی ہے، جیسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا، جب آپ ﷺ آخری آیت پر پہونچے تو جبیرؓ بن مطعم کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام اثر کیا۔(۲)

اعجاز قرآنی کی آٹھویں وجہ

قرآن کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتاتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے۔ دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لیجئے اسے دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے۔ پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو، یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی اسکو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کو شوق و رغبت بڑھتا جاتا ہے۔ یہ بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا اثر ہے۔(۳)

ا۔ معارف القرآن ص99 ج1

۲۔ معارف القرآن ص99 ج1)

۳۔ معارف القرآن

اعجاز قرآنی کی نویں وجہ

کلام اللہ کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ قرآن نے خود اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر وترمیم کے باقی رہے گا، اللہ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس کے قریب ہونے کو آئے ہیں ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر وزبر کی غلطی کا امکان نہیں، ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیر وزبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑ لیں گے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔ یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے۔(۱)

زملکانی کا موقف

قرآن کریم کے اعجاز بیانی کے سلسلے میں کمال الدین محمد بن علی بن الزملکانی کا کہنا ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کے حسن تالیف میں مضمر ہے۔ یعنی اس کے مفردات اور معانی دونوں میں یہ خصوصیت پنہاں ہے کہ ان کے انتخاب میں صوت وآہنگ اور ترجمانی کے اعتبار سے اس کے مرتبہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔(1)

فخر الدین رازی کی رائے

قرآن کے اعجاز بیانی کے حوالے سے امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ اس کا

ا۔ معارف القرآن ص100 ج1

اعجاز اس کی فصاحت وبلاغت اور ان تمام نقائص ومعائب اور تضادات سے منزہ ہونا ہے، جو انسانوں کا خاصہ ہے۔(2)

قاضی ابوبکر کی رائے

قاضی ابوبکر اپنی کتاب 'اعجاز القرآن' میں رقم طراز ہیں کہ قرآن کریم کے اعجاز میں یہ راز پنہاں ہے کہ اس کا اسلوب، اس دور کے تمام معروف ومروجہ اسالیب سے مختلف ہے یعنی نہ تو اس شعر کی طرح ہے اور نہ ہی اس نثر کی طرح جس کا اظہار اس دور کے فصحاء اور شعراء اپنے کلام میں اکثر کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ طرز بیان کی حقیقت ہی اس کے بدیع السموات والارض کے کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔(3)

علامہ سکاکی کی رائے

قرآن کریم کے اعجاز بیان کے تعلق سے ابو یعقوب یوسف بن ابی بکر محمد بن علی سکاکی نے اپنی کتاب ''مفتاح العلوم'' میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ قرآن کے اعجاز کا کوئی پہلو متعین کرنا مشکل ہے، چنانچہ وہ قاری جو فصاحت وبلاغت کا صحیح ذوق رکھتا ہے اس کو ہر ہر قدم پر محسوس تو کرتا ہے، مگر بیان نہیں کرسکتا۔ اس کے نزدیک اس کی فصاحت وبلاغت سراسر ذوق ووجدان کے نازک پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا اظہار اسی طرح ناممکن ہے۔ جس طرح قرآن کے حسن وزیبائی کی الفاظ وحروف کی اصطلاحوں میں تشریح نہیں کی جاسکتی۔(4)

وجوہ اعجاز کے بارے میں نظام کا نظریہ

قرآن کریم کے اعجاز کے بارے میں ابو اسحاق ابراہیم بن یسار النظام کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم کا جواب یوں تو ناممکن ہے تاہم جب بھی کوئی شخص یا گروہ اس کے جواب

کے در پے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قدرت و استطاعت چھین لیتا ہے، وہ اس لائق نہیں رہتا کہ اس کے مرتبہ فصاحت کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ کہہ سکے۔(5)

درحقیقت قرآن کریم اپنی ادبی و معنوی خوبیوں کے اعتبار سے مجموعہ اعجاز ہے، بقول بندار بن الحسین کہ اس بارے میں خصوصیت سے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ لفظ و معنی اور ترتیب و تالیف کے کس پہلو و مقام پر اعجاز کا اطلاق مکمل طور پر ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن نے سحر اور جادو کے دور سے نکل کر عقل و خرد کے جس نئے دور کا آغاز کیا اور جس اولین قوم اور معاشرے کو اپنا مخاطب ٹھہرایا اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں ایسی وزنی دلیل سے کام لیا جاتا جو ایک طرف تو عقلی ہو اور دوسری طرف ایسی ہو جس کے حسن و قبح کو وہ اچھی طرح جانچ پرکھ سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ عربی زبان اور اس کی خصوصیات ہی ہو سکتی ہیں۔

اعجاز بیانی کا اہم پہلو

قرآن حکیم میں ان تمام پہلوؤں کا استیعاب کیا گیا ہے، لیکن اس کتاب کے مخاطبین اولین کے لئے زیادہ شائستہ التفات اور قابل فہم پہلو قرآن کریم کی لسانی خصوصیات اور معجزہ طرازیاں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے۔ خود یہ پہلو دو طرح کے امکانات کا حامل ہے یا تو اس کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ قرآن حکیم حذف، تقدیر، تقدیم، تاخیر، تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور بلاغت کے اعتبار سے حسن و کمال کے کن کن نوادر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

قرآن کریم کا ہر ہر لفظ عمدہ اور ہم آہنگ

قرآن حکیم میں الفاظ کی ان معجزہ طرازیوں کے علاوہ جن کا تعلق ترکیب و تالیف

کے کمالات اور خوبیوں سے ہے، خود الفاظ کی اپنی ایک حیثیت و اہمیت بھی ہے۔ ان میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کو سننے سے کان ابا کرے۔ کوئی لفظ ایسا نہیں جس میں عامیانہ پن پایا جائے اور جو معنوی اعتبار سے کھوکھلا اور سطحی ہو، کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جو قریش کے صاف ستھرے ذوق عربیت کے منافی ہو، بلکہ اس کا ہر لفظ خوش گوار، خوش آہنگ اور اس طرح کا صوتی نکھار لیے ہوئے ہے کہ نہ صرف کان اس سے آشنا معلوم ہوتے ہیں، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلب و ذہن بھی اس سے غیر شعوری طور پر پہلے سے آگاہ ہیں۔ ان میں بلا کی ملائمت، حلاوت اور کھنک پائی جاتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ ان کا انتخاب خالق کائنات نے کیا ہے۔

کم الفاظ کے ذریعے معانی کا اظہار

عربی زبان جس کا دامن ہزاروں الفاظ کو سمیٹے ہوئے ہے، انہی الفاظ کے ذریعے انفرادی و اجتماعی مسائل سے لے کر مابعد الطبیعی حقائق تک تمام مسائل کو احسن طریقے پر سلجھایا اور نکھارا ہے۔ یعنی کم از کم ذخیرۂ الفاظ سے زیادہ سے زیادہ معانی کی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً لفظ ہدایت کو لیجئے۔ قرآن حکیم نے اس ایک لفظ کو سیاق و سباق کی مناسبت کے پیش نظر تقریباً تین معانی میں استعمال کیا ہے۔

1۔ اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ہر شئ کی تخلیق کی ہے وہاں اس کے فرائض کا تعین کیا ہے۔

"رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی"۔ (طٰہٰ:50)(6)

ہمارا وہ پروردگار ہے جس نے ہر چیز کو شکل و صورت بخشی اور (پھر اس کے فرائض کی طرف اس کی رہنمائی بھی کی)

2۔ دینی رہنمائی کے معنوں میں:

"وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا"۔ (انبیاء:73)(7)

(اور ہم نے ان کو قوموں کا پیشوا ٹھہرایا کہ ہمارے حکم سے

لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں)

3۔ توفیق ہدایت کے معنوں میں:

''وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدَیً''۔ (محمد:17)(8)

(جو لوگ ہدایت سے بہرہ ور ہیں ان کو مزید ہدایت کی توفیق فرماتا ہے)

اعجاز قرآن کا تیسرا پہلو حسن تالیف

قرآن حکیم کے اعجاز کا تیسرا پہلو حسن تالیف ہے، یعنی اس بحث کے بعد کہ اعراب وحروف کی تبدیلی یا الفاظ کے انتخاب وتصرف میں قرآن کریم نے اعجاز کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، یہ واضح کیا جائے کہ یہی الفاظ جب ترکیب پذیر ہوں اور آیات کے سانچے میں ڈھل جائیں تو ترتیب وتالیف کے لحاظ سے اس میں حسن وسحر کے کون کون گوشے نکھر کر ذوق وشوق کو متاثر کرتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی دو طرح سے دیا جاسکتا ہے۔

ایک یہ کہ فن بلاغت وبدیع کے ایک ایک قاعدہ کو سامنے رکھ کر قرآن سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا جائے کہ اس نے کیونکر تمام اصناف سخن کو ملحوظ رکھا اور کس طرح حیرت انگیز اور غیر معمولی طریقے سے ادب وذوق کے خوارق کی تخلیق کی ہے۔

دوسرے یہ کہ فن اور اس کی اصطلاحی باریکیوں میں غوطہ زنی کئے بغیر بدیع وبیان کی ایسی روشن مثالوں ہی پر اکتفا کیا جائے جن سے وہ لوگ بھی استفادہ کرسکیں، جن کو ادب وذوق کے ان دقائق کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اس سے پہلے کہ قرآن کریم کے معجزانہ پہلو کو ذکر کیا جائے چند نکات کی تشریح ناگزیر ہے۔

(1) قرآن حکیم نے جب اعجاز کا دعویٰ کیا اور مخالفین کو مقابلے کے لئے للکارا تو یہ محض مناظرانہ تحدی نہ تھی، بلکہ ایک برتر حقیقت کی طرف اشارہ تھا، جس نے ادب ولسان کا حسین روپ دھار رکھا تھا۔ کارلائل نے قرآن کریم کے اس نکتہ کو بھانپ لیا ہے۔ ان کا

کہنا ہے کہ قرآن دراصل اس آواز حق کی بازگشت ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ سے سنائی دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سننے والے جب اس کو سنتے ہیں تو یہ آواز انہیں پہچانی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی اجنبی کی آواز نہیں ہے، بلکہ یہ دل کے قریب سے بلند ہونے والی آواز ہے، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جبین شوق زمین بوس ہوجاتی ہے۔ اور آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے ہیں۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّداً۔''

(بنی اسرائیل: آیت 107)(9)

(جن لوگوں کو پہلے علم الکتاب سے بہرہ ور کیا گیا ان کو جب قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں)

''وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ''۔ (المائدۃ:83)(10)

(اور جب اس کتاب کو جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی، سنتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہم کو ماننے والوں میں لکھ لیجئے)

اعجاز بیان کے اسی پہلو نے ولید جیسے مخالف اسلام کو متاثر کیا اور یہی وہ قرآن کی ادائے دلنواز تھی جس نے فاروق اعظمؓ کے قلب گداز میں اعجاز قرآنی کی پذیرائی کے لطیف جذبات کو ابھار دیا۔ جب ہم آیات قرآنی میں اعجاز بیان کے اس پہلو سے تعرض کرتے ہیں جس کا تعلق حسن تالیف سے ہے تو اس سے مراد حسن وکمال کی وہ نوعیت ہے جو اسلوب ومعانی دونوں میں یکساں دائر وسائر ہے۔ وہ نوعیت کیا ہے خطابی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

”قرآن جن محاسن سے لبریز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں صحیح اور بلند تر معانی کو نظم و ترتیب کی حسین شکل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں اللہ کی توحید کا بیان ہے۔ اس کی صفات کا تذکرہ ہے، تنذیر کی تفصیل ہے، حلال و حرام کی وضاحت ہے، حظر و اباحت کے حدود کی تعین ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام ہیں، محاسن اخلاق کی تلقین ہے اور قرون ماضیہ سے عبرت پذیری کے اصول ہیں۔ یہ سب معانی اور مضامین بجائے خود بلند اور حسین ہیں، باوجود اس کے ان سب کے اظہار کے لئے قرآن حکیم نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے زیادہ موزوں اور بہتر اسلوب اختیار نہیں کیا جا سکتا۔(ا)(11)

اعجاز بیانی کے سلسلے میں باقلانی کی رائے

قرآن کریم بدیع و بیان اور ترتیب و تالیف کے اس درجہ کمال پر فائز ہے کہ جہاں انسان کا عجز واضح ہو جاتا ہے۔ اس میں ہر معنی کو بغیر کسی مبالغہ آرائی کے ٹھیک اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس کے لئے موزوں ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے خطیب اور شاعر میں یہ خامی نمایاں ہے کہ وہ کسی ایک ہی مفہوم و معنی کو تو اچھی طرح ادا کر سکتا ہے، لیکن ہر معنی کو نہیں مثلاً بعض لوگ مدح میں خوب نکھرتے ہیں ہجو میں نہیں۔ بعض ہجو کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں اور مدح میں ناکام۔ لیکن قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جس معنی و مفہوم کو بھی ادا کیا ہے زبان و اسلوب کا معیار اس میں یکساں بلند ہے۔(12)

علامہ جرجانی کا موقف

عبدالقادر جرجانی نے حسن تالیف اور اعجاز قرآن کو اس حیثیت سے دیکھا ہے کہ کفار مکہ اعجاز قرآن کے مسئلہ میں اس لئے سپر ڈالنے پر مجبور ہوئے کہ انہوں نے جب اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا، ایک ایک سورۃ کا جائزہ لیا اور ایک ایک آیت کو دیکھا تو انہیں

ا۔ بیان اعجاز القرآن: ص24

احساس ہوا کہ اس میں تو کوئی لفظ اور کلمہ ایسا نہیں جو اپنی جگہ نگینہ کی طرح نہ جڑا ہوا اور جس کے بارے میں ہم کہہ سکیں کہ اگر یہ لفظ یا کلمہ یوں ہوتا تو زیادہ موزوں اور فصیح و بلیغ ہوتا۔ یہ تھا وہ احساس عجز جس نے انہیں ششدر و حیران کر دیا تھا۔(13)

حسن تالیف اور اقتضائے حال کی چند جھلکیاں

حسن تالیف یا فصاحت و بلاغت کا اہم اصول یہ ہے کہ کلام اقتضائے حال کے عین مطابق ہو، یعنی جو کچھ بھی کہنا ہو اور مفہوم و معنی کی جس نوعیت کا بھی اظہار مقصود ہو الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترتیب و ساخت سے اس کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہو۔ قرآن حکیم میں اس صفت کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

انسان کی اخروی زندگی کے بارے میں قرآن حکیم کا واضح تصور یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ بہترین اجر و ثواب سے بہرہ ور کئے جائیں گے جنہوں نے دنیا میں ایمان و عمل کے تقاضوں کا ساتھ دیا۔ اللہ کو مانا اس کے رسولوں کو تسلیم کیا اور ان دینی و اخلاقی قدروں کی پیروی کی جن کی انہیں ان کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے تلقین کی گئی۔ اس کے برعکس وہ سخت سزا کے مستحق ٹھہریں گے جنہوں نے قدم قدم پر کفر و انکار کا اظہار کیا اور اپنی روش اور عمل سے اللہ کے پیغام و دعوت کو جھٹلایا۔

ظاہر ہے جب دونوں کے طرز عمل میں بیّن اختلاف رونما ہوگا تو ان کے صلہ اور جزا میں بھی فرق نمایاں ہونا چاہئے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے اور دونوں کے فکر و اسلوب کے منطقی نتائج کی نشاندہی کی ہے اور اس کی ہولناکیوں کا بھی صلہ اور انعام اور اس کے لطائف کی بھی، لیکن اس معجزانہ انداز سے کہ جو آیات خوشخبری اور حسن انعام پر دلالت کرتے ہیں ان کے ایک ایک لفظ سے نرمی، عذوبت اور بشاشت ٹپک رہی ہے اور جن آیات میں سزا اور اس کی اذیتوں کا ذکر ہے ان کا ایک ایک لفظ ہیبت، خشونت اور قہر و جلال کے انگارے برسا رہا ہے۔

اعجاز پر دلالت کرنے والی آیات

اعجاز قرآنی کے لطف کو ذیل کی آیتوں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

"وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ اَنْ يُّفْتَرىٰ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ". (14)

دوسری جگہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُم صَادِقِيْنَ". (15)

اس طرح کے چیلنج وتحدی مکی و مدنی ہر دو سورتوں میں پائے جاتے ہیں چنانچہ سورہ بقرہ جو کہ مدنی سورہ ہے اس میں تمام فرد انسانی سے یہ چیلنج کیا گیا ہے۔

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُو بِسُوْرَةٍ مِن مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَائَكُم مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ". (16)

اسی طرح سورۃ الاسرا جو کہ مکی سورہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَن يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَايَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً". (17)

قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت، حسن ترتیب وتنسیق کی نظیر نہیں پائی جاتی ہے، اس کے سارے کلمات نور الٰہی سے آراستہ وپیراستہ ہیں جن میں معمولی تغیر وتبدیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے کہ قرآن کریم تمام نقائص ومعائب سے پاک وصاف ہے۔ قرآن کریم کی عظمت وفوقیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ کسی طرح کا تغیر وتبدل قبول نہیں کرتا۔

قرآن درستگی کا جامع، سچائی کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ دیگر سبھی کلام پر فائق وبرتر ہے۔ اس کے ہر ایک جملہ سے اس کا اعجاز بیان ظاہر العیان ہے۔ ہر فرد بشر کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ اس طرح کا کوئی بھی کلام اپنے معاونوں کے ساتھ مل کر باہمی اشتراک وتعاون سے بھی پیش کر سکے۔ انسان اپنے شعور واحساسات کی کمزوری کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ ہر وقت اس کے سامنے نئے مسائل وحالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے وہ کبھی خوشی وشادمانی سے دوچار ہوتا ہے تو کبھی آلام ومصائب کا شکار۔

قرآن پاک اپنے معاندین ومخاصمین کو بار بار جھنجھوڑا، ان کی غیرت کو بار بار تحدی اور چیلنج کیا لیکن اس کا ہم مثل لانے کے لئے بڑے بڑے فصحاء بلغاء عرب ہمیشہ خامہ فرسائی اور طبع آزمائی کرتے رہے، لیکن انہیں اپنی تمام تر کوششوں میں ہر زاویے سے بے نیل ومرام ہو کر منھ کی کھانی پڑی۔ تاریخ میں چند مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ قرآن کا ہم مثل لانے کے لئے ناکام سعی بھی کی گئی مثلاً بسید بن ربیعہ جو عربوں میں اپنے فن کلام اور تیزی طبع میں یکتائے روزگار اور وحید عصر تھا۔ اس نے ایک نظم لکھ کر باب کعبہ پر آویزاں کردی، جب مسلمانوں کی اس پر نظر پڑی تو ایک مسلمان نے اس کے جواب میں قرآن پاک کی ایک سورہ کوثر لکھ کر لٹکادی، بسید نے دوسرے روز وہاں آکر سورہ کی ابتدائی آیت جب پڑھی تو اس قدر متاثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا:

"لَيْسَ هٰذَا الْقُرْآنُ مِنْ طَاقَةِ الْبَشَرِ"

اور حق وصداقت سے مغلوب ہو کر فوراً "**لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ**" پڑھ کر پروانۂ نبوت کے جھرمٹ میں شامل ہو گیا۔

یہ سلسلہ یہیں تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ اتنا زیادہ عظمت قرآن کا قائل ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے جب ان سے اشعار کہنے کی فرمائش کی تو انہوں نے کہا جب خدا نے مجھے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران جیسا کلام دے دیا ہے تو اب شعر گوئی مجھے قطعی زیب نہیں دیتی۔

فن اور ذوق کے پہلو سے بلاغت میں قرآن کا درجہ وہی شخص اچھی طرح جان سکتا ہے جسے ماہرین بلاغت کے منظوم ومنثور اور مرسل ومسجوع کلام کا حظ وافر حاصل ہو یہاں تک کہ کلام پر اسے ملکہ حاصل ہوجائے اور اس کا ذوق بن جائے اور وہ عبدالقاہر کی دونوں کتابوں اور الصناعتین الخصائص، اساس البلاغۃ اور ابن ہشام کی ''مغنی اللبیب'' سے مدد حاصل کرلے۔ یہ بلاغت کی اولین کتابیں ہیں، اس کے نتیجے میں اسے ملکہ حاصل ہوجائے گا اور وہ اس انتہا تک پہنچ جائے گا جس کا علم تاریخ سے حاصل ہوتا ہے اور وہ قرآن کی تاثیر ہے۔ جس کا احساس امت عربیہ اور عجم میں سے عربی میں مہارت رکھنے والوں کو تھا۔

کلام میں بلاغت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ متکلم سامع سے جو بات کہنا چاہتا ہے اسے اس انداز سے کہے کہ اسے سن کر سامع مطمئن ہوجائے اور اس کا اثر قبول کرلے۔ تاریخ انسانیت میں کوئی ایسا کلام معروف نہیں جو عقلوں اور دلوں میں تاثیر کی قوت میں قرآن سے قریب تر ہو، قرآن ہی وہ واحد کلام ہے جس نے عرب قوم کی طبیعتیں بدل دیں، انہیں ان کے عقائد اور رسوم سے پھیر دیا، انہیں ان کی عادتوں اور عداوتوں سے موڑ دیا، انہیں ان کی خود غرض اور انتقامی کارروائیوں سے پھیر دیا۔ ان کی امیت اور جہالت کو علم وحکمت سے اور جاہلیت کو علم وادب سے بدل دیا اور متفرق قبائل کو ملا کر ایک امت بنا دیا جو اپنے عقائد، فضائل، عدل تہذیب اور علوم وفنون سے سارے عالم پر چھا گئی۔

اب ہم مختصراً اہم خصوصیات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی بناء پر قرآن کریم کا کلام معجز ہے، ظاہر ہے کہ ان خصوصیات کا احاطہ تو بشری طاقت سے باہر ہے، تاہم انسان کی محدود بصیرت کے مطابق ان خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (1) الفاظ کا اعجاز (2) ترکیب کا اعجاز (3) اسلوب کا اعجاز (4) نظم کا اعجاز۔

الفاظ کا اعجاز

کسی زبان کا کوئی شاعر یا ادیب، خواہ اپنے فن میں کمال کے کتنے ہی بلند مرتبے

کو پہنچا ہوا ہو یہ دعویٰ نہیں کرسکتا، اس کے کلام میں کہیں بھی کوئی لفظ غیر فصیح استعمال نہیں ہوا، کیوں کہ بسا اوقات انسان اپنے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کسی نہ کسی غیر فصیح لفظ کے استعمال پر مجبور ہوجاتا ہے۔ لیکن پورے قرآن میں نہ صرف یہ کہ کہیں کوئی ایک لفظ بھی غیر فصیح نہیں ہے بلکہ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ایسا اٹل ہے کہ اسے بدل کر اسی فصاحت وبلاغت کے ساتھ دوسرا لفظ لانا ممکن ہی نہیں، عربی زبان ایک انتہائی وسیع زبان ہے جو اپنے ذخیرہ الفاظ کے اعتبار سے دنیا کی معمولی معمولی فرق سے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں، قرآن کریم الفاظ کے اس وسیع ذخیرے میں سے اپنے مقصد کی ادائیگی کے لئے وہی لفظ منتخب فرماتا ہے، جو عبارت کے سیاق، معنی کی ادائیگی اور اسلوب کے بہاؤ کے لحاظ سے موزوں ترین ہو۔

مثلاً ہر زبان کے بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو صوتی اعتبار سے فصیح اور پسندیدہ نہیں سمجھے جاتے، لیکن چونکہ ان کے مفہوم کی ادائیگی کیلئے کوئی اور متبادل لفظ نہیں ہوتا اس لئے اہل زبان انہیں استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن قرآن کریم ایسے مواقع پر ایسی خوبصورت تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ذوق سلیم وجد کر اٹھتا ہے، جیسے عربی میں تعمیر مکان کیلئے پکی ہوئی اینٹوں کے لئے جتنے الفاظ مستعمل ہیں وہ سب ثقیل اور ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً اجر، قرمد اور طوب۔ اب قرآن کریم میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایک اونچا محل تعمیر کرنے کے لئے اینٹیں پکاؤ، اس واقعہ کو ذکر کرنے کیلئے اینٹ کا لفظ استعمال کرنا ناگزیر تھا، لیکن قرآن کریم نے اس مفہوم کو ایسے معجزانہ انداز سے ذکر فرمایا ہے کہ مفہوم بھی نہایت حسن کے ساتھ ادا ہوگیا اور ثقیل الفاظ کے استعمال کی قباحت بھی پیدا نہیں ہوئی، چنانچہ ارشاد فرمایا۔

''وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا''۔(القصص:38)(۱)

۱۔ یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن بحوالہ علوم القرآن ص256

(اور فرعون نے کہا! اے سرداران قوم! مجھے اپنے سوا تمہارا
کوئی معبود معلوم نہیں، پس اے ہامان! گیلی مٹی پر آگ
روشن کر کے میرے لئے محل تعمیر کرو)

ترکیب کا اعجاز

الفاظ کے بعد جملوں کی ترکیب، ساخت اور نشست کا نمبر آتا ہے۔ اس معاملے میں بھی قرآن کریم کا اعجاز اوج کمال پر ہے، قرآن کریم کے در و بست میں وہ شوکت، سلاست اور شیرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی، جیسے قاتل سے قصاص لینا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لئے عربی میں مقولے مشہور تھے۔ مثلاً ''القتل احیاء للجمیع'' (قتل اجتماعی زندگی ہے) اور ''أكثروا القتل ليقل القتل'' (قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائے) ان جملوں کو اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ یہ زبان زد عام تھے، اور فصیح سمجھے جاتے تھے، قرآن نے بھی اسی مفہوم کو ادا فرمایا لیکن کس شان سے؟ ارشاد ہے۔

''وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ'' (اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے)

اس جملے کے اختصار، جامعیت، سلاست، شوکت، اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھئے بلاغت کا معجزہ شاہکار معلوم ہوتا ہے۔ اور پہلے کے تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

اسلوب کا اعجاز

قرآن کریم کے اعجاز کا سب سے زیادہ روشن مظاہرہ اس کے اسلوب میں ہوتا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کا مشاہدہ ہر کس و ناکس کر سکتا ہے، اس کے اسلوب کی اہم

معجزانہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(1) علماء بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، خطابی، ادبی، علمی۔ ان تینوں قسموں کے دائرے الگ الگ ہیں، ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا اور مواقع مختلف ہیں اور ایک ہی عبارت میں ان تینوں اسالیب کو جمع کر دینا ممکن ہے۔ آپ جب تقریر کرتے ہیں تو آپ کا انداز اور ہوتا ہے، اور جب کوئی ادبی نثر لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب بالکل جدا ہوتا ہے، اور جب کوئی علمی مقالہ لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب کچھ اور اختیار کرتے ہیں، لیکن قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ان تینوں اسالیب کو ساتھ لے کر چلتا ہے، اس میں خطابت کا زور، ادب کی شگفتگی اور علمی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہے، اور کسی چیز میں کوئی کمی نہیں آنے پاتی ہے۔

(2) اگر ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے تو کہنے والا ادب و انشاء میں خواہ کتنا ہی بلند پایہ مقام رکھتا ہو ایک مرحلے پر پہونچکر سننے والے اکتا جاتے ہیں زور ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی تاثیر کم ہو جاتی ہے، لیکن قرآن کریم کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہی بات بعض اوقات بیسیوں مرتبہ کہی گئی ہے، ایک ہی واقعہ بار بار مذکور ہے، لیکن ہر مرتبہ نئے کیف، نئی لذت اور نئی تاثیر محسوس ہوتی ہے۔

(3) کلام کی شوکت اور راس کی نزاکت و شیرینی دو متضاد صفتیں ہیں، دونوں کے لئے الگ اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے، ان دونوں صفتوں کو ایک عبارت میں جمع کر دینا انسانی قدرت سے باہر ہے، لیکن یہ صرف قرآنی اسلوب کا اعجاز ہے۔ اس میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال یکجا پائے جاتے ہیں۔

(4) قرآن کریم نے بعض ان مضامین میں بلاغت کو اوج کمال تک پہونچا

کر دکھایا ہے جن میں کوئی بشری ذہن ہزار کوشش کے بعد کوئی ادبی چاشنی پیدا نہیں کر سکتا۔ مثلاً قانون وراثت کو لیجئے یہ ایک ایسا خشک اور سنگلاخ موضوع ہے کہ اس میں دنیا کے تمام ادیب وشاعر مل کر بھی ادبیت اور عبارت کا حسن پیدا نہیں کر سکتے، لیکن آپ سورہ نساء میں:

''یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ . الخ'' والے رکوع کی تلاوت کیجئے آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ یہ کوئی غیر معمولی کلام ہے۔ اس پورے رکوع میں قانون وراثت بیان کیا گیا ہے، لیکن اس حسن وجمال کے ساتھ کہ ایک ایک جملے پر ذوق سلیم وجد کرتا ہے۔

(5) اختصار اور ایجاز قرآن کریم کے اسلوب کا امتیازی وصف ہے۔ اور اس وصف میں اس کا اعجاز نہایت نمایاں ہے۔ اس نے چند مختصر جملوں میں سیاست اور جہاں بانی کے وہ اصول بیان فرما دیئے ہیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گے، وہ فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں، لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کے بہت سے عقدے کھول دیئے ہیں۔ وہ معاشیات اور عمرانیات کی کتاب نہیں، لیکن دونوں موضوعات پر اس نے اختصار کے ساتھ ایسی جامع ہدایات دیدی ہیں کہ دنیا کے علوم وفنون سیکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔

آخری بات

قرآن کریم کے اعجاز کے اسباب و وجوہ بے شمار ہیں، علماء امت نے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ نہ یہ سمندر کبھی ختم ہوگا اور نہ یہ تشنگی کبھی دور ہوگی۔ نہ قرآنی عجائبات وانکشافات کا سلسلہ تمام ہوگا اور نہ تحیر واستعجاب کو راحت ملے گی نئی نئی باتیں اور نکتے سامنے آتے رہیں گے اور قرآن مجید کی حقانیت واضح سے

واضح ہوتی چلی جائے گی۔ حتی کہ وہ وقت آجائے گا جب انسانیت کا کوئی فرد قرآن کا انکار نہ کر سکے گا۔

حوالہ جات:

(1) مطالعہ قرآن (مولانا حنیف ندوی) ص105۔ (مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)
(2) مطالعہ قرآن (مولانا حنیف ندوی) ص107۔ (مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)
(3) قرآن کریم کا اعجاز بیان (ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان بنت الشاطی)۔ (مطبوعہ گلوب آفسٹ پریس دہلی)
(4) قرآن کریم کا اعجاز بیان (ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان بنت الشاطی) ص170۔ (مطبوعہ گلوب آفسٹ پریس دہلی)
(5) التصویر الفنی للقرآن (سید قطب) ص110
(6) سورہ طٰہٰ: آیت50
(7) سورہ انبیاء:73
(8) سورہ محمد:17
(9) سورہ بنی اسرائیل:83
(10) سورہ المائدۃ:83
(11) بیان اعجاز القرآن: ص24
(12) مطالعہ قرآن (مولانا محمد حنیف) ص130۔ (مطبوعہ: ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)
(13) مطالعہ قرآن (مولانا محمد حنیف) ص130۔ (مطبوعہ: ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)
(14) سورہ یونس:38-37
(15) سورہ ہود: آیۃ13
(16) بقرہ:23
(17) بنی اسرائیل:88
(18) قرآن کریم کا اعجاز: ص:166

خطبۂ حجۃ الوداع

"الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيّات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، و اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له، و اشهد ان محمداً عبده ورسوله"

(تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کی جناب میں ہم توبہ کرتے ہیں اور اہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ جل شانہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے اس کوکوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کوکوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

"أوصيكم عباداللہ بتقوى الله، وأحثكم على طاعته واستفتح بالذى هو خير"

(اللہ کے بندو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور تمہیں آمادہ کرتا ہوں اس کی اطاعت پر اور میں بہتر بات (حمد وثنا) سے اپنے کلام کا افتتاح کرتا ہوں)

وصال کی خبر

"أما بعد! ايهاالناس! اسمعوا قولى تعيشوا ابين لكم فإنى لاأدرى لعلى لا القاكم بعد عامى هذا فى موقفى هذا ابداً"

(حمد وستائش کے بعد) میری بات سنو، تمہیں زندگی ملے گی، میں (آج) تم لوگوں سے صاف صاف باتیں کروں گا، اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور آپ لوگ میرے اس سال کے بعد میرے اس مقام پر آئندہ کبھی باہم جمع نہیں ہوسکیں گے۔(یعنی میرا وصال ہوجائے گا))

دجال......ایک حقیقت

"ثم ذكر المسيح الدجال فاطنب فى ذكره، ثم قال مابعث الله من نبى إلا قد انذر امته لقد انذر نوح أمته والنبيون من بعده وأنه يخرج فيكم فما خفى عليكم من شانه، فلا يخفى عليكم أنه أعور عين اليمنى، كأنها عنبة طافية، إلا ما خفى عليكم ما شانه، فلا يخفين إن ربكم ليس بأعور، فلا يخفين ان ربكم ليس باعور"

(پھر آپؐ نے مسیح دجال کا طویل ذکر فرمایا۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا، اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا، چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا، اسی طرح ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اس سے خوف دلایا، بلاشبہ وہ تمہارے درمیان نکلے گا، پس تم پر اس

کی کوئی حالت مخفی نہ رہے۔پس پوشیدہ نہ رہے تم پر یہ بات کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، گویا وہ آنکھ گردش کرنے والا انگور کا دانہ ہے، خبردار! تم پر اس کی کوئی حالت مخفی نہ رہے (اس کے بعد دومرتبہ تاکید فرمایا) یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے)

جان ومال کا احترام

"أيهاالناس! أي يوم هذا؟ قالوا: يوم حرام، فقال: فأي بلد هذا؟ قالوا: بلد حرام، قال: فأي شهر هذا؟ قالوا: شهرحرام، قال: فإن دمائكم، وأموالكم وأعراضكم وأبشاركم وأولادكم حرام عليكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا وأنكم ستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، ألا هل بلغت؟ قال ،قلنا: نعم، قال: اللهم اشهد"

(لوگو! آج کونسا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا، یوم محترم، پھر آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کونسا شہر ہے؟ سب سے نے کہا بلد محترم، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تماری عزتیں اور تمہارے ابدان اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے۔ بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملوگے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں

بازپرس کرے گا۔سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا (راوی کہتے ہیں) ہم نے جواب میں عرض کیا، ہاں پہنچادیا، آپؐ نے فرمایا: اللہ گواہ رہ۔

امانت داری وحق رسی

"فمن كانت عنده امانة فليؤدها إلىٰ من ائتمنه عليها، الدين مقضى، والعارية موداة ، والمنحة مردودة والزعيم غارم"

(جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہئے کہ اس کی امانت ادا کرے،قرض ادا کیا جائے، عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دودھ کے لئے ہدیۃً لی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے)

رسوم جاہلیت کی تنسیخ

"ألا! كل شئ من أمر الجاهلية موضوع تحت قدمي، وإن كل ربا موضوع، ولكم رؤوس أموالكم،لاتظلمون ولا تظلمون. قضى الله أنه لاربا. وإن أول ربا أبدا به ربا عمي العباس بن عبدالمطلب، وإن دماء الجاهلية موضوعة وإن أول دم نبدأ به دم عمر بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب وكان مسترضعاً في بني ليث . فقتله هذيل"

(خبردار! تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا

جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سودی معاملہ کی
کوئی حیثیت نہیں ہے اور جو سود میرے چچا حضرت عباسؓ
بن عبدالمطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں وہ
تمام کا تمام ختم کرتا ہوں اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط
ہیں اور جو قصاص جاہلیت اپنے خاندان کا وصول طلب
ہے، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا، سب
سے پہلے میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں (ان کے خون کا
انتقام نہیں لیا جائے گا) جو کہ قبیلہ بنولیث میں زیر پرورش
تھے، کہ قبیلہ ہذیل کے آدمیوں نے ان کو قتل کر دیا)

ألا إن مآثر الجاهلية وأن كل دم وماء اومال بدعي به كانت في الجاهلية فهو موضوعة تحت قدمي هاتين غير السدانة والسقاية، والعمد قود وشبه العمد ماقتل بالعصى والحجر وفيه مأة بعير، فمن زاد فهو من اهل الجاهلية، ألا هل بلغت؟ اللهم فاشهد"

(اور تمام آثار جاہلیت، خون بہا، پانی اور کسی کی طرف مال
کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے
پامال ہیں، البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو
پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا، اور قتل عمد پر
قصاص ہے، اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے، اس
میں سو (۱۰۰) اونٹ کی دیت ہے پس جس نے تعدی کی وہ
اہل جاہلیت میں سے ہے، سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا
دیا؟ اے اللہ گواہ رہ)

قوم کو نصیحت

"یا معشر القریش! الاتجیئو ابالدنیا تحملونها علی رقابکم ویجئ الناس بالأخره فانی لا أغنی عنکم من الله شیئاً"

(اے جماعت قریش! یہ نہ ہو (قیامت میں) تم دنیا کا
بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھا کر لاؤ اور لوگ (سامان) آخرت
لے کر آئیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے کچھ
کام نہ آسکوں گا)

"یا معشر القریش! إن الله قد أذهب عنکم نخوة الجاهليه وتعظمها بالآباء"

(اے قریشیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرور
نسب سے پاک کر دیا ہے)

انسانی مساوات و معیار فضیلت

"أيها الناس! ربكم واحد وإن أباكم واحد، كلكم لآدم وآدم من تراب، (ثم تلا) يايها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثىٰ، وجعلنكم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إن أكرمكم عندالله اتقاكم، إن الله عليم خبير، وليس لعربي فضل على عجمي، ولا لعجمي فضل على عربي، ولا اسود على احمر ولا احمر على أسود إلا بالتقوىٰ، ألا هل بلغت؟ اللهم فاشهد، قالو: نعم"

(لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، سب
کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی
سے پیدا کیا گیا ہے۔ (پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ تلاوت

فرمائی) (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر۔ فضیلت وبرتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا: ہاں!)

ابلیس کی مایوسی

"أیھا الناس قد یئس الشیطان من أن یعبد فی أرضکم ھٰذہ أبدا، ولٰکنہ قد رضی أن یطاع فیما سویٰ ذالک مما تحقرون من أعمالکم، فاحذروہ علی دینکم"

(لوگو! حقیقت یہ ہے کہ شیطان قطعی مایوس ہو چکا ہے اس بات سے کہ کبھی اس کی تمہاری اس سرزمین عرب میں پرستش کی جائے، لیکن وہ اس بات پر راضی ہے کہ عبادت کے سوا دوسرے ان اعمال میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو (تم گناہ کے اعتبار سے) معمولی خیال کرتے ہو، اپنے دین کے معاملے میں اس سے چوکنا رہو)

اسلامی تقویم

"أیھا الناس! إنما النسیئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاماً ویحرمونہ عاماً لیواطئوا عدۃ ماحرم اللہ ویحرموا ما أحل اللہ، کانوا یحلون صفر عاماً ویحرمون عاماً فذالک النسیئ"

(لوگو! امن کے مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کردینا کفر میں اضافہ کرنا ہے، اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال اس (مہینے) کو حلال سمجھ لیتے ہیں، اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کیے ہیں، گنتی پوری کرلیں، پس اس طرح جسے خدا نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرتے ہیں اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اسے حرام کرلیتے ہیں (چنانچہ) وہ ایک سال ماہ صفر کو حلال کرلیتے ہیں (اور دوسرے سال حرام) اور ماہ محرم کو ایک سال حرام سمجھتے ہیں (اور دوسرے سال حلال))

"وإن الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السمٰوات والأرض وإن عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھراً فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والأرض، منھا أربعۃ حرم، ثلاثۃ متوالیات، وواحد فرد: ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب الذی بین جمادی وشعبان، ذالک الدین القیم، فلاتظلموا انفسکم، الاھل بلغت؟ اللھم فاشھد"

(زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ (جن کا ذکر)

کتاب اللہ میں ہے، آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے، ان مین سے چار مہینہ محترم ہیں۔ تین یکے بعد دیگرے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، اور ایک الگ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔یہی دین قیم ہے، پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ)

حقوق زوجین

"أيها الناس! ان لنسائكم عليكم حقا ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم غيركم تكرهونه ولا يدخلن احدا تكرهونه بيوتكم إلا بإذنكم ولا يأتين بفاحشة بينة ولا يعصين فى معروف، فإن خفتم نشورزهن ، فان الله قد أذن لكم ان تعظوهن، و تعضلوهن وتهجروهن فى المضاجع وتضربوهن ضربا غير مبرحٍ، فان انتهين، قاطعنكم فعليكم رزقهن، وكسوتهن بالمعروف"

(اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمے حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے وہ تمہارا فرش غیر سے نہ روندوائیں بالخصوص جن کو تم برا سمجھتے ہو (یہ قید اضافی ہے) اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، الا یہ کہ تمہاری اجازت ہو، اور وہ کوئی کھلی بے حیائی کی بات نہ کریں، اور کسی امر خیر میں نافرمانی نہ کریں، پس اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا خوف ہو تو اللہ رب العزت کی طرف

سے تمہیں اجازت ہے کہ ان کو نصیحت کرو، اور مجبور کرو، اور ان کی خواب گاہوں سے علیحدگی اختیار کرلو، اور انہیں مارو، ایسی مار جو شدید نہ ہو جس سے نشان پڑ جائے، پھر اگر وہ (کسی مرحلہ میں) باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نان ونفقہ کی حقدار ہیں)

عورتوں کا مقام اور تقدس

"وإنما النساء عندكم عوان لايملكن الأنفسهن شيئا، وإنكم إنما أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمات الله، فاتقوا الله فى النساء، واستوصوا بهن خيراً"

(بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، (یعنی محکوم ہیں) اور بلاشبہ تم نے ان کو بامان اللہ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر خدا کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے، لہذا خواتین کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو))

اخوت اسلامی

"أرقائكم ارقاءكم، اطعمواهم مماتاكلون، واكسوهم مما تلبسون، وإن جاؤا بذنب لاتريدون ان تغفروه فبيعوا عبادالله، ولاتعذبوهم، الاهل بلغت؟ اللهم فاشهدو"

(آپ (ﷺ) نے دومرتبہ تاکید کی (ارشاد فرمایا) اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرو، ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو، اگر وہ ایسا گناہ کر بیٹھیں جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کردو، اور ان کو عذاب نہ دو۔ سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اللہ گواہ رہ)

اطاعت امیر

"یٰأیہا الناس! اسمعوا، وأطیعوا وإن أمر علیکم عبد حبشی مجدع، أقام فیکم کتاب اللہ"

(اے لوگو! اپنے امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، اگر تم پر کسی حبشی غلام کو جو مقطوع الانف ہو، امیر بنادیا جائے، جب کہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے)

کتاب وسنت کی بنیادی حیثیت

"فاعقلوا ایہاالناس! واسمعوا قولی فإنی قدبلغت، وقد ترکت فیکم امرا بینما إن اعتصمتم بہ، فلن تضلوا أبدا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ فاعملوا بہ"

(سمجھ سے کام لو لوگو! اور میری بات سنو! میں نے تم لوگوں تک حق تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا اور میں تمہارے درمیان روشن چیز چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑلیا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔ پس تم اس پر عمل پیرا رہو)

انسداد ظلم وخیانت

"أیہا الناس! استمعوا قولی فإنی قد بلغت واعقلوہ تعلمن أن کل مسلم أخ المسلم وإن المسلمین أخوۃ، فلا یحل لأمری مال أخیہ إلا أعطاہ عن طیب نفس منہ، فلا تظلمن أنفسکم، ألا لا یحل لامرأۃ أن تعطی من مال زوجہا شیئاً إلا بإذنہ، ألا ہل بلغت؟ اللہم فاشہد"

(لوگو! میری بات سنو! بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کردیا، اسے سمجھو تاکہ تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دیدے۔ خبردار! کسی عورت کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دیدے، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ)

خانہ جنگی کی مذمت

"ألا فلا ترجعن بعدی کفاراً، یضرب بعضکم رقاب بعض، الا ہل بلغت؟ اللہم فاشہد"

(خبردار! میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا، اس طرح کہ تم میں سے بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی گردن کاٹنے لگیں، سنو! کیا میں نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ)

حقوق کا تعین

"أيها الناس إن الله قد أدى إلى كل ذى حق حقه وإن الله قد قسم لكل وارث نصيبه من الميراث ولا يجوز لوارث وصية ولا يجوز فى أكثر من الثلث"

اے بنی آدم! اللہ جل شانہ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے میراث کا حصہ مقرر فرما دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں (یعنی اب کوئی شخص اپنے وارث کے لئے میراث کے معاملے میں کوئی وصیت نہ کرے، ورثاء کو ان کے مقررہ حصۂ شرعی کے مطابق حصہ ملے گا) اور (کسی شخص کے لئے کسی غیر وارث کے حق میں) اپنے تہائی مال کی مقدار سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں)

قانون حفاظت ناموس

"ألا وان الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله"

(خبردار! بچہ اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے)

فریب دہی اور ناسپاسی کی مذمت

"ألا ومن ادعىٰ إلى غير أبيه أو تولىٰ غير مواليه رغبة عنهم، فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين، لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلاً"

(سنو! جس نے نفرت کے باعث اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی جانب خود کو منسوب کیا (یعنی قومی نسبت تبدیل کی) یا کسی غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بتایا، اس پر خدائے تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائیں گے)

قانونی تحفظ

"ألا لا يجنى جان إلا على نفسه ألا لا يجنى جان على ولده ولا مولود له على والده"

(غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو)

اعلان ختم نبوت

"أيها الناس! ان لا نبى بعدى ولا أمة بعدكم (وفى مجمع الزوائد) ألا كل نبى قد مضت دعوته الا دعوتى فانى قد دخرتها عند ربى الى يوم القيامة، فان الانبياء مكاثرون فلا تخزونى فانى حابس لكم علىٰ باب الحوض"

(لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت وجود میں آئے گی۔ سنو! بلاشبہ میری دعوت کے سوا ہر نبی کی دعوت ختم ہو چکی ہے کہ میں نے اس کو اپنے پروردگار

کے پاس قیامت کے لئے جمع فرمادیا ہے۔(یعنی اب کسی اور کو عطا نہ ہوگی) یہ حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام (قیامت کے دن) کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھ کو (اپنی بداعمالیوں سے) رسوامت کرنا، میں حوض کوثر کے دروازے پر تمہارے انتظار میں رہوں گا)

اسلام کے بنیادی ستون

"ألا فاعبدوا ربکم، وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم وادوا زکاة أموالکم طيبة بها أنفسکم (وفی رواية) وتحجون بيت ربکم، وأطيعوا ولاة امرکم تدخلوا جنة ربکم"

(سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنج گانہ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، (اور ایک روایت میں ہے) اور اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرو، اور سربراہوں کی اطاعت کرو، اور اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہوجاؤ)

صدقہ کی تلقین

"قال وامرنا بالصدقة فقال: تصدقوا فإنی لأدری لعلکم لاترونی بعد عامی هذا"

(راوی نے فرمایا کہ (اسی خطبہ میں) آپ نے ہم کو صدقہ کا حکم فرمایا، پس آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرو اس لئے کہ شاید تم مجھ کو میرے اس سال کے بعد نہ دیکھ

سکو، (میرے ہی سامنے صدقہ کردو تاکہ میں تمہارا گواہ بن جاؤں)

میقات احرام

"ووقت لاهل اليمن يلملم أن يهلوا منها وذات عزق لأهل العراق او قال لاهل المشرق"

(اور آپؐ نے اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا کہ وہ اس مقام سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ کر چلیں، اور اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات قرار دیا، یا اہل مشرق کے لئے (راوی کو اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ آپ نے اہل عراق فرمایا یا اہل مشرق)

کمال ایمان واسلام

"انبئکم من المسلم؟ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، انبئکم من المؤمن؟ المؤمن من أمنه المسلمون علی انفسهم واموالهم، انبئکم من المهاجر؟ المهاجر من هجر السيئات مما حرم الله عليه، والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله"

(میں تم کو آگاہ کرتا ہوں، مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان ومال کے باب میں مامون رہیں، اور میں تم کو بتاتا ہوں، مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ

کی حرام کردہ چیزوں کوترک کردے، اور مجاہدوہ ہے جس
نے اللہ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا)

ایذارسانی کی مذمت

"والمؤمن حرام على المؤمن كحرمة هذا اليوم لحمه عليه حرام ان ياكله بالغيبة يغتابه وعرضه عليه حرام ان يخرقه. ......ووجهه عليه حرام ان يلطمه، واذاه عليه حرام ان يوذيه، وليه حرام ان يدفعه وفعة تعنيه"

(اور مومن کی ذات (جان ومال) مومن پر حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مومن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے اور مومن کا چہرہ اس پر حرام ہے اس پر کہ وہ مومن کو تکلیف رسانی کیلئے اس کو دھکا دے)

نازش بیجا کا سدباب

"لا يالو على الله، فإنه من تالى على الله أكذبه الله"

(اللہ تعالیٰ کے ذمہ ڈال کر قسمیں نہ کھاؤ (مثلاً یہ کہ قسم اللہ کی وہ ضرور فلاں کام کرے گا) اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ اس کے جھوٹ کو ظاہر کردے گا)

حصول شہادت

"وإني مسئول وإنكم مسئلون، وأنتم تسالون عني فما انتم

قائلون؟ قالوا: نشهد أنك قدبلغت ، واديت، ونصحت، فجزاك الله خيراً، قال الستم تشهدون ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله، وان الجنة حق، والنار حق، وان الموت حق، وان الساعة آتية لاريب فيها، وان الله يبعث من في القبور قالوا: نشهد بذالك، فقال: ياصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس أللهم اشهد، ثلٰث مراتٍ"

(اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی، اور تم سے میرے (پیغام رسانی کے) بارے میں سوال کیا جائے گا، بتاؤ کیا جواب دوگے؟ سامعین نے عرض کیا، ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے (اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام) پہنچادیئے، اور تبلیغ کا (رسالت کا) حق ادا کردیا، اور نصیحت وخیرخواہی کی تکمیل فرمادی، پس آپ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے (پھر) سوال فرمایا: کیا تم اس بات کے گواہ نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم برحق ہے اور موت برحق ہے، اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زندہ کرے گا، حاضرین نے جواب دیا کہ ہاں ہم ان باتوں کے گواہ ہیں، اس کے بعد آپؐ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ)

بشارت وانذار

”ثم قال: أيهاالناس!انی فرطكم وانتم اردون علی الحوض، حوض عرضه ما بين بصرة وصنعاء فيه عدد النجوم قدحان من فضة، وإنی سائلكم حين تردون علی عن الثقلين فانظروا كيف تخلفونی، فيهما الثقل الأكبر كتاب الله سبب طرفه بيدالله، وطرف بأيديكم فتمسكوا به لاتضلوا وتبدلوا، عترتی أهل بيتی وأنه قد نبأنی اللطيف الخبير أنهما لن يفرقا حتیٰ يردا علی الحوض“

(بعدازاں ارشادفرمایا: اے لوگوں میں حوض کوثر پرتم سے پہلے پہنچنے والا ہوں اورتم بھی اس حوض پر پہنچو گے، وہ ایسا حوض ہے جس کی وسعت بصرہ سے مقام صنعاء کے مابین مسافت کے برابر ہے۔اس پرستاروں کی مقدار کے برابر چاندی کے گلاس ہیں اورجس وقت تم حوض کوثر پرآ ؤ گے تو میں ثقلین (کتاب وسنت) کے متعلق تم سے سوال کروں گا، پس سوچ لوکہ تم ان دونوں کے باب میں کیسی جانشینی کروگے، ثقل اکبر: کتاب اللہ ہے، اس کے ایک کنارہ کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے، پس اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو، راہ راست سے نہ ہٹو، اورنہ اس کو تبدیل کرو، اور میرے عترت میرے اہل بیت ہیں اورخدائے لطیف وخبیر نے مجھے آگاہ فرمادیاہے کہ وہ دونوں (کتاب وعترت) کبھی جدانہ ہوں گے، یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پروارد ہوں)

”إن الصدقة لا تحل لی ولا لأهل بيتی واخذوبرة من كاهل ناقته فقال لا والله ولا مايساوی هذا وما يزن هذا“

(بلاشبہ صدقہ (زکوٰۃ) نہ میرے لئے حلال اورنہ میرے اہل بیت کے لئے (اوربطورمثال وتاکید) آپ نے اپنی اونٹنی کی گردن کے متصل پیٹھ سے ایک بال پکڑا اورفرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اس بال کے برابراورہموزن زکوٰۃ بھی ان کے لئے جائزنہیں ہے)

امت مسلمہ کا منصب

”وقال: فليبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه أن يكون أوعیٰ له من بعض من سمعه، ألا هل بلغت؟“

(اورارشادفرمایا کہ جواس وقت موجود ہے وہ میراپیغام ان تک پہنچادے جوموجودنہیں ہے، ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کوسننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو، کیامیں نے خداتعالیٰ کا پیغام پہنچانہیں دیا؟)

”والسلام عليكم ورحمة الله“

(تم پرسلام اوراللہ کی رحمت ہو)

اکمال دین

”وعن الشعبی قال: نزلت علی النبی صلی الله عليه وسلم ” اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الإسلام دينا“ قال: نزلت وهو واقف بعرفة حين وقت موقف ابراهيم، واضمحل الشرك،

وھدمت منار الجاھلیة، ولم یطف بالبیت عریان" (طبقات ابن سعد)

(حضرت شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت آپ کے اسی قیام عرفہ کے دوران یہ آیت نازل ہوئی " **الیوم أکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا**" (آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی رحمت کا اتمام کردیا اور تمہارے لئے بطور طریق زندگی اسلام سے راضی ہوگیا) اس وقت عالم یہ تھا کہ شرک مضمحل ہو چکا تھا اور زمانۂ جاہلیت کے تمام آثار ختم ہو چکے تھے اور کسی شخص نے (زمانۂ جاہلیت کی روش پر) کعبہ کا برہنہ ہوکر طواف نہیں کیا)

ماخذ:

۱. بخاری شریف، باب الخطبة ایام منی، ج: ۱ ص ۲۳۴. طبع دھلی (ھند)
۲. مسلم شریف: باب حجة النبی ﷺ ض: ۱ ص ۳۹۴. طبع نور محمد، کراچی (پاکستان)
۳. سنن ابی داؤد: باب صفة حجة النبی ﷺ ج: ۱، ص: ۲۶۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی.
۴. سنن ابن ماجه: باب لاوصیة لوارث. ج: ۱۹۴. وباب حجة رسول ﷺ ص: ۲۲۰، وباب لایجنی احد علی احد، ص: ۱۹۱، طبع نور محمد کراچی (پاکستان)
۵. فتح الباری: باب وقول النبی ﷺ، لاترجعوا بعدی کفارا. الخ ض: ۱۱، ج: ۲۰، لشیخ

الاسلام الخیریه شھاب الدین بن حجر العسقلانی. المطبعة الخیریة بمصر، سنة ۱۱۱۹ھ
۶. المسند لاحمد بن حنبل، ج: ۹، ص: ۲۱۸۴، مطبعة دار المعارف، بمصر ۱۳۷۰ھ.
۷. کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ج:۵، ص: ۱۵۹ تا ۱۶۶، لعلامة علاء الدین علی بن حسام الدین الشھیر بالمتقی الھندی البرھان پوری، المتوفی ۹۷۵ھ، مطبع مجلس دائرة المعارف العثمانیة حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ.
۸. مجمع الزوائد ومبع الفوائد: باب الخطب فی الحج ج: ۳، ص: ۲۶۵ تا ۲۷۴، للحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ طبع بیروت.
۹. زاد المعاد فی ھدی خیر العباد: للامام شمس الدین بن عبدالله الدمشقی الحنبلی المعروف بابن قیم علی ھامش الزرقانی للامام شمس الدین العلامة محمد بن الباقی الزرقانیؒ، ج:۳، ص: ۹۴. مطبع الازھریة المصریة، ۱۳۶۶ھ.
۱۰. مرقاة المفاتیح: لعلی بن سلطان محمد القاریؒ، ج:۵، ص: ۲۹۸ طبع ملتان (پاکستان)
۱۱. سیرت ابن ھشام: لابن ھشام، ج:۴ ص ۲۵۳.
۱۲. ثمر الودادمختصر زادالمعاد: لمصطفیٰ محمد عمارة، فصل فی ھدی رسول ﷺ فی حجه وعمرته، ص: ۱۱۱، طبع مصر ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء.
۱۳. تاریخ الطبری: تاریخ الرسل والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری ۲۲۴.۳۱۰ھ ج:۳، ص: ۱۴۸. مطبوعة دار المعارف بمصر.
۱۴. الطبات الکبریٰ: لابن سعد، ج:۲، ص: ۱۷۲، طبع بیروت ۱۳۷۶ھ.
۱۵. العقد الفرید: لابی عمر احمد بن محمد بن عبدربه الاندلسی، کتاب الخطب ج:۴ ص:۵۷، مطبع قاھرہ ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء.
۱۶. تاریخ الکامل: لابن الاثیر الجزری، ج:۲، ص:۱۴۶. طبع مصر ۱۳۰۱ھ.
۱۷. بذل القوة فی حوادث سنی النبوة: لعلامة مخدوم محمد ھاشم ٹھٹھویؒ فصل فی حوادث السنة العاشرة من الھجرة، ص: ۲۷۸، طبع حیدرآباد (پاکستان)
۱۸. البیان والتبیین: لابی عثمان عمرو بن محبوب الجاحظ، ج:۲ص: ۲۹، مطبعة الاستقامة بالقاھرة ۱۳۶۶ھم ۱۹۴۷ء.
۱۹. اعجاز القرآن: للقاضی ابی بکر الباقلانی علی ھامش التقان فی علوم القرآن لشیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ج: ۱، ص: ۱۷۸، طبع بمصر الصبعة الثالثة ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء.
۲۰. جمھرة خطب العرب: لاحمد زکی صفوت، ج: ۱ ص: ۵۷. طبع مصر: ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء.
۲۱. سیرة النبی ﷺ: علامه شبلی نعمانی وسید سلیمان ندویؒ، سال اخیر حجة الوداع، ج:۲، ص: ۱۴۸. مطبع اعظم گڑہ (ھند) طبع دوم ۱۳۴ھ.

دینی مدارس ماضی، حال اور مستقبل

الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علی آلہ و صحبہ و علی من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین، أما بعد:

علماء و محققین کی اس مجلس کو آراستہ کرنے پر میں ملت اکادمی بجنور یوپی کے ذمہ داروں اور اکادمی کے سربراہ حضرت مولانا سراج الدین ندوی صاحب مدظلہ کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے اس مؤقر کارواں کے محرک اعلیٰ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے نہ صرف اس بزم کو منظم کیا بلکہ عالمی سطح پر اس کی خدمات کو متعارف اور اس کی پیش رفت کو رفتار عطا کیا۔ خوشی کی بات ہے کہ حضرت مولاناؒ کے اس مشن کو لے کر ان کے بہترین جانشین مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی بحسن وخوبی آگے بڑھ رہے ہیں۔ پروگرام کے مہمان خصوصی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور شیخ الادب حضرت مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں اللہ رب العزت ان اسلاف بزرگان کا سایہ عاطفت تادیر ملت اسلامیہ پر باقی رکھے۔ آمین

مدارس اسلامیہ کی اہمیت وافادیت سے انکار کی گنجائش نہیں، مگر اب دشمنان اسلام نے بھی اس کی قوت کو پوری طرح بھانپ لیا ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن مدارس اسلامیہ کے تعلق سے طرح طرح کے منفی شگوفے ہوا میں چھوڑے جاتے ہیں اور مدارس واہل مدارس کے تئیں مسلمانوں خاص طور پر محسنین مدارس کو گمراہ اور بدگمان کیا جاتا ہے۔ کبھی مدارس اسلامیہ کے وجود کو زمانے کے ساتھ نہ چلنے والا فرسودہ نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کبھی علما واہل مدارس پر بے ہنر طلبہ کی کھیپ کو دھرتی کا بوجھ بنانے کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن معاندین اسلام اور ان کے غلط پروپیگنڈے کے شکار کچھ مسلمان بھائیوں نے بھی جب یہ دیکھ لیا کہ مدارس سے متعلق علماء اور طلبہ کی شکل میں یہ دیوانے اپنے ہدف سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تو اب مدارس اور اس کی انتظامیہ پر ہی سوالات کھڑے کیے جارہے ہیں، گذشتہ چند برسوں سے اس میں کافی تیزی آئی ہے۔ مدارس مخالف قوتوں نے اب مدارس چلانے والے اور علماء پر بداخلاقی اور مالی بددیانتی کے الزامات لگانے کو بہترین ہتھیار تصور کرلیا ہے۔ ان حالات میں علماء اہل مدارس کو منفی پروپیگنڈے سے بچنے کی سعی کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت ضروری ہے کہ مخلصین ومعاونین مدارس، معاندین اسلام کی بدنیتی کو سمجھیں اور علماء کے تعلق سے ہراڑتی ہوئی بات پر ہرگز دھیان نہ دیں۔

اس بات کو اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب جب شمع حق کی لو تیز ہوئی ہے باطل کے خیمے میں بے چینی پیدا ہوئی ہے اور حق بات کو دبانے کی ہر ممکنہ کوشش ہوئی ہے۔ چنانچہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور منفی پروپیگنڈوں کے باوجود مدارس اسلامیہ پوری قوت وجوش عمل کے ساتھ دین حق کی تعلیم اور اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ چند دہائیوں سے مدارس نے علمی وباطنی سطح پر بھی ترقی کی ہے اور ظاہری طور پر بھی اسے وقار وترقی حاصل ہوئی ہے اس لیے اسلام ومدارس مخالف قوتوں کا بے چین ہوجانا فطری ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ کبھی کبھی کلمہ گو بھی ایسی طاقتوں کا آلۂ کار بن جاتے ہیں اور ان ہی کی زبان بولنے لگ جاتے ہیں۔ جب کہ سچائی یہ ہے کہ یہی مدارس ہیں جن کی وجہ سے اسلام، اسلامی تعلیم زندہ اور اسلامی تشخص باقی ہے۔ ہمارے بھائیوں کو اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو توکل علی اللہ پر بڑے بڑے پروجیکٹ کی بنیاد رکھتے ہوں، کوئی تنظیم ایسی نہیں جو بے سروسامانی کی حالت میں کسی کام کا عزم رکھتی ہو اور کائنات میں کوئی ادارہ نہیں جو چندہ بشکل بھیک اکٹھا کر کے نونہالان قوم کو تعلیم وتربیت کے ساتھ

ساتھ ان کی مکمل کفالت بھی کرتا ہو۔تصور کیجیے کہ علماء کے علاوہ کوئی قوم ایسی دنیا میں ہے جو فرائض منصبی بھی ادا کرتی ہو اور ایک ایک روپیہ چندہ اکٹھا کر کے مدارس کا نظام بھی چلاتی ہو اور اپنا وظیفہ بشکل تنخواہ بھی لیتی ہو؟ یاد رکھیے علماء اور ذمہ داران مدارس کے سامنے محض اسلام کی خدمت اور اشاعت دین ہے اور وہ اس کے لیے مر مٹنے کے لیے تیار ہیں، ورنہ امت کی جو بے رخی ہے مدارس پر کب کے تالے لگ چکے ہوتے۔

ہم مانگنے والوں کو ہرگز نہ گدا سمجھو
یہ شانِ نبوت ہے انداز فقیرانہ

ایک طرف اہل مدارس کو معاندین اسلام کا سامنا ہے تو دوسری طرف ان روشن خیال برادران اسلام سے سابقہ ہے جن کے نزدیک مدارس اور اس سے وابستہ جملہ سرگرمیاں کار عبث ہے، چونکہ ان کے نزدیک انسانیت کی خدمت سب سے بڑی عبادت ہے اور ایسے مدرسوں کو وہ لاحاصل سمجھتے ہیں جہاں صرف مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے ،ایسے لوگوں کی خواہش ہے کہ مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کو برابر شامل کیا جانا چاہیے تاکہ دنیا میں ترقی یافتہ قوم کہلا سکیں ،یعنی وہ ایسا مدرسہ چاہتے ہیں جہاں دینی تعلیم کی حیثیت اتنی ہی ہو جتنی کھانے میں چٹنی کی ہوتی ہے۔اس سوچ کے افراد خالص اسلامی مدرسوں کے لیے نہ دست تعاون بڑھاتے اور نہ کسی کو اس کام کے لیے آمادہ کرتے ہیں ، بلکہ بعض وقت تو وہ مدارس کے تعاون کرنے والوں کو روکتے ہیں۔صورتحال یہ ہے کہ ہندوستان میں صاحب نصاب افراد میں سے دس فیصد لوگ بھی اپنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالتے اور جو نکالتے ہیں انھوں نے زکوٰۃ کی رقم کو کھپانے کے لیے نام نہاد ٹرسٹ کھول رکھے ہیں، ظاہر ہے ایسے میں اہل مدارس کہاں سے یہ امید لگائیں کہ ان کی مالی مشکلات دور ہونگی اور وہ پوری تندہی کے ساتھ اشاعت دین میں منہمک رہیں گے۔اتنی رکاوٹوں اور مسائل ومشکلات کے باوجود اہل مدارس اگر دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو یہ کسی جہاد سے کم نہیں۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اہل اسلام اور صاحب ثروت لوگوں کو اس بات کی تلقین کرتے رہیں کہ وہ اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرنے کی کوشش کریں اور مدارس کی اہمیت سے بھی انھیں آگاہ کرتے رہیں دوسری طرف صاحب ثروت کو چاہیے کہ وہ اسلامی مدارس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہیں کیوں کہ یہی وہ مدارس ہیں جن کے دم سے آج ہندوستان کے جنگلوں میں بھی اذان واقامت ہو رہی ہے۔روشن خیال طبقے کو بھی چاہیے کہ وہ مدارس کے مقاصد کو سمجھیں اور ان کے نشانہ کو پہچانیں، اگر وہ اس پر غور کریں گے تو ان پر یہ منکشف ہو جائے گا کہ مدارس اسلامیہ کی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور اس کے اثرات کتنے ہمہ گیر ہیں۔

علماء واہل مدارس کو ایسے حالات سے نہ گھبرانا چاہیے اور نہ کسی طرح کی مایوسی کا شکار ہونا چاہیے کیوں کہ جس قرآن کریم کی تعلیم میں وہ مصروف ہیں اس کے بقا کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے دوسری طرف علماء کو اپنے اسلاف کی خدمات کو دیکھنا چاہیے کہ کن کن مسائل ومشکلات کو جھیل کر انھوں نے دینی تعلیم اور اشاعت دین کی شمع کو جلائے رکھا ۔بوریہ نشیں علما نے مدارس اور خانقاہوں میں بیٹھ کر جس طرح مدارس کے نظام کو رائج وعام کیا تھا وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے، انشاء اللہ علوم اسلامیہ کا چراغ یونہی جلتا رہے گا۔

ملت انسانیت کے پاسبانو! ہندوستان میں اسلام کا موجودہ منظر نامہ، وسیع دائرہ کار، اور لامحدود جغرافیہ، دینی مدارس کی سنہری کوششوں، مخلصانہ کاوشوں، بے پناہ جدوجہد اور مساعی جمیلہ کی رہین منت ہیں۔ اشاعت اسلام، فروغ دین اور حفاظت شعائر کے حوالے سے اسلامی تاریخ، دینی مدارس کے بنیادی رول، اساسی کردار اور قائدانہ جدوجہد کے تذکرہ کے بغیر ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے اقوام عالم کی تاریخ مکمل نہیں ہوگی۔

ہندوستان میں دینی مدارس کا مقام، کردار اور جنگ آزادی میں انکی جدوجہد تاریخ کا وہ اٹوٹ حصہ ہے جسکے بغیر ہندوستان کی تاریخ مبہم ہی نہیں بلکہ موہوم ہوتی ہے۔

ہندوستان میں مدارس کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔جنہیں ذیل کے چند نکات میں اس طرح سمیٹا جاسکتا ہے۔

۱۔ مدارس اسلامیہ نے یہاں بالواسطہ اسلام کو قرآن و حدیث، ترجمہ و تالیف و تحقیقات وتصنیفات، خانقاہیں اور تربیتی مراکز قائم کر کے سیاسی فتنہ گری، اکبری گمراہی، انگریزی سازش، دور آریائی و برہمنی فتنہ، قادیانی فتنہ وپرویزیت سامانی کا مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ پٹنہ سے لے کر حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی سرہندیؒ، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ، حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، امام ربانی رشید احمد گنگوہیؒ، مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی جناب سرسید احمد خانؒ، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ بانیان مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ، عبقریت الدہر حضرت مولانا سعادت علی سہارنپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، محدث عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ملک میں اسلامی بنیادوں کو مزید مستحکم کرلیا۔

۲۔ جدوجہد آزادی کی دوسوسالہ تاریخ میں بھی دینی مدارس نے ہمیشہ کلیدی رول ادا کیا ہے۔تحریک بالاکوٹ کے علمبردار امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلویؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ، حضرت مولانا یحیٰ علیؒ، حضرت مولانا ولایت علیؒ عظیم آبادیؒ، حضرت مولانا جعفر تھانیسریؒ، حضرت مولانا احمد اللہ شاہ گجراتیؒ کی

تحریک مجاہدین، رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علی گوہرؒ کی خلافت تحریک، شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال، داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی تبلیغی تحریک، ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تحریک امارت شرعیہ، مولانا ابوالکلام آزادؒ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تحریک آزادی کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ جنگ آزادی کے چند انمٹ نقوش ہیں۔

۳۔ مدارس اسلامیہ نے ملک میں مفت تعلیمی سہولتوں کے ذریعہ معیاری وعمومی خواندگی کا نیٹ ورک آج تک قائم کر رکھا ہے اس کا بدل ہنوز فراہم نہیں کیا جاسکا۔

۴۔ ملک بھر میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مساوات، انسانی حقوق اور خدا پرستی کی عملی تبلیغ وتشہیر نے ذات پات کے ظالمانہ نظام کی کمر توڑ کر رکھدی۔
شودروں اور پسماندہ طبقات کو جو آج دستوری وسماجی سہولتیں حاصل ہیں ان میں اسلامی تعلیمات اور اقدار حیات کے اثرات کا دوست و دشمن سبھی اعتراف کرتے ہیں۔

۵۔ یہ اسلامی مدارس ہی ہیں جو اپنے وطن کو عالم اسلام سے جوڑنے میں بنیادی رول ادا کرتے آئے ہیں، علماء نے جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اس کے نتیجہ میں ملک بھر میں خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی عمومی فضا بے شک برقرار ہے مگر حال کے چیلنجوں اور روشن مستقبل کے تقاضوں کو اگر آج ہم نے نظر انداز کیا تو آئندہ نسل ہمیں معاف نہیں کرے گی۔اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان چیلنجوں کا پوری فراست ایمانی اور دوراندیشی سے مقابلہ کریں۔

ہندوستان میں مدارس کا قیام

دارالعلوم دیوبند:

دینی مدارس کی بنیاداسوقت ڈالی گئی تھی جب سلطنت مغلیہ فنا کے کگار پر تھی، کچھ حساس اور غیور قلب مخلصین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب مسلمانوں میں دینی تعلیم کے فروغ کی پرائیویٹ کوشش ناگزیر ہوگئی ہے کیونکہ دشمنان دین نے ایسے انتظامات کرر کھے تھے جسکا راست اثر مسلمانوں کے تشخص اور تعلیم وتربیت پر پڑ رہا تھا، انہی خدشات کی بناء پر چند صاحبان عقل وخرد نے مدارس اسلامیہ کے قیام کی تجویز سوچی، اوراسے مؤثر اور قابل انتفاع بنانے کی ترکیبیں زیر تجویز آئیں۔ ان تجاویز کی دوررسی اور مستقبل میں اچھے امکانات کی بناء پر یہ فیصلہ لیا گیا کہ دینی مدارس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جس کی قیادت علماء ودین دار طبقہ نے کی تھی) کی ناکامی پر مسلمانوں میں احساس شکست، احساس کمتری اور ایک عام مایوسی پھیلتی جارہی تھی ان کی عزت، خودداری پر کاری ضرب لگ رہی تھی اس پیچیدہ کیفیت اور نازک حالات میں دوقسم کی قیادت ابھر کر سامنے آئی پہلی قیادت خالص دینی قیادت تھی، جس کے علمبردار علماء دین تھے دوسری قیادت سرسید احمد خان مرحوم اور جدید مکتب فکر کے افراد پر مشتمل تھی، علماء دین نے اسلام کے دینی مدارس کا قیام ضروری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو دینی واخلاقی زوال سے حفاظت کے ضامن ہوں اوران مدارس سے ایسے علماء تیار ہوکر نکلیں جو اسلامی شریعت وفقہ سے گہری واقفیت رکھتے ہوں، ان میں داعیانہ روح، رضا کارانہ خدمت اور اشاعت علم کا جذبہ ہو اور جو حکومت کی اعانت وسرپرستی کے بغیر علم دین کی اشاعت وحفاظت کا فرض انجام دے سکیں ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کا مرکزی اور بنیادی حصہ ہے۔

انگریزوں کی ظلم وبربریت اور غیر معمولی سنگدلی اور بے رحمی کی وجہ سے جس کا مظاہرہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کے معاملہ میں کیا، نیز عیسائیت کی ترویج و اشاعت میں حکومت کی سرگرمی اور گرم جوشی اور مغربی تہذیب کی عوام میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ مقبولیت اور مسلمانوں کے عقائد، اخلاق ومعاشرے میں اسکے اثرات کی وجہ سے ان لوگوں کو اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا ۔انہوں نے اسکی فکر کی کہ دینی جذبہ، اسلامی روح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی تہذیب وثقافت کے لیے قلعہ بندیاں کرلی جائیں اور پھر ان قلعوں میں (جن کو عربی مدارس کے نام سے پکارا گیا ہے) مبلغ اور داعی تیار کئے جائیں، چنانچہ اس عظیم اصلاحی اور تعلیمی تحریک کا آغاز شمالی ہند کی اس قدیم تاریخی بستی میں ۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰رمئی ۱۸۶۶ء بروز پنج شنبہ چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سایہ میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر ایک دینی مدرسہ کا افتتاح عمل میں آیا جسے آج پوری دنیا ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے جانتی ہے۔ اس مدرسہ کا نصاب درسِ نظامی پر تھا، درس نظامی بارہویں صدی کے مشہور عالم دین حضرت مولانا ملا نظام الدین سہالویؒ کا مرتب کردہ نصاب ہے۔ اسی نظام تعلیم نے ایسے ایسے نابغۂ روزگار اور علمی وفنّی شخصیتیں پیدا کیں جن کی عظمت آج بھی مسلم ہے۔ دارالعلوم دیوبند جیسے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے بہت سے مدارس نے جنم لیا اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھنے لگی اور آج دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں دینی مدارس کے فضلاء موجود نہ ہوں۔ ۱۸۶۶ء میں جب مدارس کی تحریک کا آغاز ہوا تو بانیان تحریک کے ذہن میں انگریزوں کے بالمقابل اپنی تحریک کا احساس ایک لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ اوراس لاوے کا حصہ ہراس فرد کے ذہن میں منتقل ہوتا چلا گیا جو اس تحریک کا حصہ بنا اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی:

دوسری قیادت جس کا پرچم سرسید احمد خان مرحوم نے بلند کیا انہوں نے جنگ آزادی کی ناکامی اپنی آنکھوں سے دیکھی مسلمانوں کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر پر، افلاس اور نکبت کی پرچھائیاں دیکھی تھیں انہوں نے ہندوستان کی ہزیمت اور دل شکستگی کا مشاہدہ کیا تھا، اپنی آنکھوں سے عربی، فارسی پڑھے مسلمانوں کو صدرالصدور، صدرامین، ہیڈ قاضی اور منشی کے عہدوں پر دیکھا تھا، مغربی سیاحوں نے جن کے عدل اور قوت فیصلہ کی تیزی کو سراہا تھا، مگر یہ قابل لوگ ملازمت کے لیے نااہل قرار دیے جارہے تھے وہ قوم جو کل تک حاکم تھی، اس کی ذلت وپستی انگریزوں کی شان وشوکت ان کی حکومت اور ان کی ساحرانہ تہذیب کے مظاہر دیکھ کر سرسید متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مسلم نوجوانوں کے اندر عصری تعلیم میں قابلیت پیدا کرنے کے لیے علی گڑھ تحریک عمل میں آئی جس کی باضابطہ شروعات ایم، اے، او اسکول کی شکل میں ۲۴رمئی ۱۸۷۵ء میں عمل میں آئی یہی اسکول آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں رواں دواں ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ:

ان دونوں قیادتوں کے بعد جہاں ایک طرف صرف دینی تعلیم اور دوسری طرف دنیوی تعلیم کی طرف توجہ تھی۔ دونوں تحریک کی اپنی اپنی الگ جہت تھی، چنانچہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے فیصلہ کیا کہ کوئی ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی سکھایا جاسکے تاکہ حدیث وتفسیر، فقہ ومنطق کے ساتھ ساتھ یہاں کے فارغین عصر حاضر پر بھی نظر رکھ سکیں چنانچہ ندوۃ العلماء کا قیام اس وقت عمل میں آیا جب قدیم وجدید مکتب خیال کی دونوں تحریکوں کی سرگرمیوں کو برسوں بیت چکے تھے۔ دیوبند کے قیام کو ۲۶رسال اور علی گڑھ کو ۱۸رسال گزر رہے تھے کہ تحریک ندوۃ العلماء کا وجود عمل میں آیا

اور آہستہ آہستہ یہ تحریک پھلتی پھولتی رہی اور لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کے فیصلے اور اس کی مستقل عمارت کے لیے زمین کا انتخاب کیا گیا۔ اور ۹رجمادی الآخر ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶رستمبر ۱۸۹۸ء لکھنؤ کے خاتون منزل میں افتتاح ہوا اور اسکی ابتدائی درجات کھل گئے اور ۱۷رجمادی الآخر ۱۳۱۶ھ مطابق ۴راکتوبر ۱۸۹۸ء کو اس کے افتتاح کے اعلان کی تقریب ایک عظیم الشان جلسہ کی شکل میں اس نئے مکان (خاتون منزل) میں منعقد ہوئی اس جلسہ میں ہندوستان کے علماء اور سربرآوردہ حضرات نے شرکت کی۔

مظاہر علوم سہارنپور:

۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۸ء کے حالات ظلم وجور، جبر وتشدد نے ملت ہندیہ کی ہمت پست کردی تھی اور اس اندھیرے میں ایک صالح فکر کی تعمیر کی ضرورت تھی تاکہ زخم خوردہ معاشرہ کو انسانیت کے لڑی میں پرویا جاسکے، ایسے حالات میں جن اداروں کا قیام عمل میں آیا اس میں شہر سہارنپور میں دینی حمیت رکھنے والوں کی کوشش سے وہ وقت سعید مسعود بھی آگیا جس میں یکم رجب المرجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۹رنومبر ۱۸۶۶ء کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا قیام عمل میں آیا اور اس کے عظیم بانیان حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ، عبقریت الدہر حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ نے اس کی اینٹ رکھی اور انہیں کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ اس جامعہ سے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحقؒ ہردوئی، حضرت مفتی مظفر حسینؒ، حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ العالی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری مدظلہ العالی، حضرت مولانا محمد عاقل سہارنپوری مدظلہ العالی، حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری مدظلہ العالی، حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی یہ وہ شخصیات ہیں

جو ہر زمانہ کے مختلف فتنے سے نبرد آزما ہوتے رہے اور ملت پر ناگہانی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ تن مشغول و مصروف رہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اداروں کی حفاظت اپنے خون جگر دے کر کی جائے اور سرکار کی امداد اور اعانت نہ قبول کی جائے، کسی بھی داد و دہش، مرکزی مدرسہ بورڈ، علاقائی وصوبائی بورڈ کے پھندوں سے انہیں آزاد رکھ کر ہر طرح سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ کیوں کہ جب تک یہ مدارس موجود ہیں اسلام زندہ ہے اس کے بغیر اسلام کی حفاظت کی کوئی بھی قابل اعتبار ضمانت نہیں نظر آتی ہے لہٰذا ان مدارس کی حفاظت ہماری قومی، ملی ذمہ داری ہے۔

دینی مدارس کے اصل مقاصد

دینی مدارس کی اولین ترجیح اسلام کا تحفظ، اسلامی اقدار کی حفاظت اور شرعی وملی مسائل کا حل، ایسے رجال کار کی تہذیب و پرداخت ہے جو امت کی فلاح و بہبودی کی خواہش لئے ہوئے عصری شرور وفتن کے انسداد، تخریبی وطاغوتی قوتوں کی سرکوبی کے لئے مستعد اور ہر نوعیت کی علمی، عملی، شعوری اور قلمی سرگرمیوں کو انجام دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اس بات کی ہمت رکھتے ہوں کہ وہ امت پر منڈلانے والے ہر طوفان کا رُخ موڑ دیں، جو ملت اسلامیہ پر سایہ فگن ہر طرح کے داخلی وخارجی خطرات کا دفاع کرسکیں، جو بخلوص قرآن وحدیث کی اشاعت اور دینی امور کی تبلیغ کرسکیں، انکے اندر اس بات کا جذبہ ہو کہ وہ امت میں بیداری، جذبۂ حریت اور اسلامی ذہنیت کو وسعت کے ساتھ پھیلانے کی قوت رکھتے ہوں، اخلاص وللٰہیت اور یکسوئی کے ساتھ خدمات انجام دینے کی سکت رکھتے ہوں، مسائل سے آگاہ، حالات سے باخبر اور مخالف عناصر سے بخوبی آشنا ہوں، دعوتی و دینی راہوں میں ناپسندیدہ عوارض پیش آنے سے چراغ پا ہونے کے بجائے ضبط کا مادہ رکھتے ہوں اور قرآنی احکامات نبویؐ ارشادات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

اصول حیات پر عمل پیرا ہوں۔

دینی مدارس کی اختصاصی ترجیحات علوم دینیہ اور اسکے مدار پر گھومتی دیگر ضروریات ہیں مگر مقام مسرت یہ ہے کہ ان مدارس نے فقط دینی شعائر کے تحفظ کا کام ہی نہیں کیا بلکہ ملک وقوم کی حفاظت کو بھی اپنے منشور میں رکھا، اور اس میدان میں انکے فضلاء نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیا کہ پوری دنیا دنگ ہے، تحریک آزادی میں مدارس سے وابستہ افراد اور رجال پر عزیمت نے کچھ اس انداز ونہج پر کام کیا کہ ہزار کوشش وتعصب کے باوجود کبھی انکی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

دینی ادارے عرصۂ دراز سے ایک مخصوص نہج اور نظم ونسق کے ساتھ چلے آرہے ہیں اور آزادانہ دینی وملی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں ان مدارس سے ایسے علماء اور قرآن وحدیث کے ایسے ماہرین پیدا ہورہے ہیں جو ہر معاملے میں عوام وخواص کی ذاتی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں راہنمائی کرتے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل اقتباس دینی مدارس کے اصل مقاصد کو اجاگر کرتا ہے۔

> ”ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان ہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا دورویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل ایسا ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے ہیروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی

کے لال قلعہ، قطب مینار اور دیگر مقبرات کے علاوہ مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔(۱)

اسی طرح مشہور ادیب قدرت اللہ شہاب نے بھی مدارس دینیہ کی خدمات کا برملا اعتراف اسی طرح کیا ہے۔ موصوف اپنی مشہور کتاب ''شہاب نامہ'' میں رقم طراز ہیں:

''سرکار انگلشیہ کی عمل آوری میں جیسے جیسے ہماری تعلیم و ثقافت پر مغربی اقدار کا رنگ و روغن چڑھتا گیا، اسی رفتار سے مولوی کا تقدس پامال ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ یہ دونوں تعظیمی اور تکریمی الفاظ تضحیک و تحقیر کی ترکش کے تیر بن گئے۔ مگر لو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھے کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلّہ کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ نہیں ہوتی، اس بات پر کبھی حیرت نہیں ہوئی کہ اتنی صبح منھ اندھیرے فجر کی اذان پابندی سے ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی مسجدیں اسی ملا کے دم سے بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے اپنی وضع قطع بدلی اور نہ اپنے جسم کی مخصوص وردی چھوڑی، اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کی شمع، کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔ برصغیر کے مسلمان علماء کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبکدوش

۱۔ بحوالہ 'خوں بہا' مصنف حکیم شجاع

نہیں ہو سکتے جس نے ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔''

دینی مدارس پر ایک بھونڈا الزام

مدارس کا وجود گرچہ شروع زمانے سے ہی تنقید بے جا کی تیز و تند یورشوں کی یلغار کا مرکز رہا ہے مگر فی الوقت اس کی شدت میں تیزی آئی ہے، آج کل عالمی پیمانے پر مدارس کو بدنام کرنے کے لئے اس پر دہشت گردی کا بدنما دھبہ لگانے کی جدوجہد کی جارہی ہے اور ان اداروں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہاں فرقہ واریت پر مبنی لٹریچر پڑھایا جاتا ہے، اس کے علاوہ دینی مدارس پر ایک بڑا الزام یہ بھی ہے کہ مدارس کا نصاب وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، مدرسوں میں، پروفیسر، وکیل اور فلاسفر پیدا نہیں ہورہے ہیں، مگر ان کا یہ الزام ایسا ہی ہے جیسے کسی ڈاکٹر سے دریافت کیا جائے کہ آپ انجینئر کیوں نہیں بنے، اور انجینئر سے یہ سوال کہ آپ کو ڈاکٹر بننا چاہئے تھا؟ مدارس کے طلباء اسلام میں تخصص کرتے رہے ہیں اور اسلام ایک ایسا موضوع ہے جس کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ لگانا ایک ہمہ گیر مرحلہ ہے، مدارس کے طلبہ پر یہ زور نہ ڈالا جائے کہ وہ ایک ہی وقت میں کالی کھانسی اور لال بخار کی دواؤں کے نام بھی یاد رکھیں اور علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ، فلسفہ وغیرہ کے رموز کو بھی سمجھیں۔ مدارس کی سلامتی امت کی سلامتی کے ساتھ مشروط ہے اس بات پر توجہ مبذول کرنا غیروں کے اعتراضات کے پیچھے بھاگنے سے زیادہ اہم ہے کیوں کہ مدارس کو کسی قسم کا نقصان پہنچتا ہے تو اس کی ضرب مسلمانوں پر پڑتی ہے۔

دینی مدارس کا موجودہ کردار

دنیا میں انقلابات کی علامت اور اسکی آہٹیں، فکری انقلاب اور بدلاؤ پر منحصر ہوتی ہیں، جب تک فکر ہم آہنگ جگر تراش اور ٹھوس نہیں ہوتا تب تک زمانہ کی روایتی گردشوں

میں ضوفشاں نشانات نظر نہیں آتے، یہ نکتہ، جو ہر بدلاؤ بلکہ ہر ترقی کے پس منظر رہتا ہے، ہر قوم، ہر قبیلہ اور ہر ملک جو ترقی کے خواہش مند ہیں پر منطبق ہوتا ہے، امت مسلمہ جس کا ماضی اسکے افکار، خدمات اور علمی وعملی جذبوں کی بناء پر روشن اور تابناک رہا تھا، اسکا پورا معاشرہ اور پوری اکائی اس سبق کو فراموش کر چکی ہے۔

دراصل امت مسلمہ نے جس چیز کو خانہ بدر کیا ہے وہ اسکا عصری کردار ہے، ظاہر ہے زمانہ کے رفتار میں ہم پلہ ہونا اور اسکے اقتباسات میں سہیم وشریک رہنے سے ہی کردار اور رفتار میں توازن رہتا ہے اور جب ان دونوں میں توازن نہیں رہے گا تو یہ بات حتمی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پیچھے چلا جائے گا اور یہی امت مسلمہ کے ساتھ بھی ہوا۔ دینی مدارس چونکہ مسلمانوں کے عقائد وافکار کا ایک محفوظ قلعہ ہے بایں بناء اسکا یہ فریضہ تھا کہ وہ امت مسلمہ کو پسماندگی سے نجات دلاتے ہوئے اسلامی اقدار پر کاربند رکھے۔

اپنی عظیم خدمات کے باوجود کئی گوشے ایسے ہیں جہاں پر عملاً تساہل سے کام لیا گیا، یہ سچ ہے کہ جس طرح دینی مدارس نے مسلمانوں کے عقائد وافکار کی حفاظت کی ضمانت لی اسے امت کی خوش نصیبی ہی کہی جاسکتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی خامیاں ہیں جنکی بناء پر دینی مدارس کی تاریخی حصولیابیاں مقام توجہ نہیں رہیں، وہ کون سی وجوہات ہیں کہ دینی مدارس کو قومی پسماندگی اور نکبت کی نشانی اور علامت قرار دی جارہی ہے؟

علماء اور حساس دانشوران کے مطابق آج کے حالات میں دینی مدارس کے عصری کردار میں کمی آئی ہے اس بحث میں جانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ پہلے عصری کردار کے معنی متعین کر لئے جائیں، کہ آخر عصری کردار کیا ہے؟ اسکا مفہوم کیا ہے؟ اس کے انطباق کی شکل کیا ہے؟

دراصل عصری کردار کا مطلب، زمانے کے چال چلن، اسکی نزاکتوں، اسکے تقابل سلیقہ اور اسکے مثبت احوال سے مطابقت کرتے ہوئے منفی عناصر کو بخوبی ناکار دینے سے عبارت ہے، اور اسی درک وآگاہی اور اسکے ساتھ ساتھ مناسب پیش قدمی ہے، ہم ایک

کردار میں ڈھلتے ہیں جسے Roal Play کہا جاتا ہے۔

اب اس تناظر میں دیکھا جائے تو سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جن احوال میں دینی مدارس کا باضابطہ اور وسیع پیمانے پر قیام عمل میں آرہا تھا وہ زمانہ مسلمانوں کی فکری، سیاسی، معاشی، حکومتی اور ثقافتی غلامی کا دور تھا، اس زمانہ میں اہل مدارس نے زمانہ کی چلتی رفتار نبض کو بھانپ لیا اور مستقبل میں اسلام کی بقاء پر لگنے والے سوالات کو پڑھ لیا، تب جا کر انہوں نے مکاتب کی شکل کے محفوظ قلعوں کی تعمیر شروع کر دی اور اس تشکیل کو اس بحسن وخوبی سے انجام دیا کہ ہزاروں عوائق کے باوجود وہ گامزن بر سفر رہے۔

یہ ان کا عصری کردار تھا، جو روشن ولائق تقلید کردار تھا، مگر موجودہ تناظر میں دینی مدارس کے عصری کردار پر جب بھی گفتگو کی جاتی ہے تو چند سیاہ پہلو سب سے پہلے سامنے آتے ہیں، انہی صورتوں میں چند اچھے نقوش بھی نظر آتے ہیں جس کی رنگت حد درجہ سیاہی کی بناء پر پھیکی اور مدھم نظر آتی ہے یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی حقیقت جسے فقط اسلئے قبول نہیں کیا جاتا ہے کہ اسمیں بہت مقدار میں تلخی ہے۔

آج ہمارے مدارس اپنے ہر شعبہ میں صرف دنیا سے ہی پیچھے نہیں چل رہے ہیں بلکہ اپنے اصل ہدف ومنشور سے بھی برگشتہ نظر آرہے ہیں، انکی تعلیم، تربیت، زندگی، طریقہ ذہن سازی، بہترین صلاحیتوں کی تلاش اور پھر اس کی تخلیق، نظام معاشرت، بود وباش، رہن سہن الغرض اسکا ہر گوشہ عصری رفتار کا ساتھ دینے سے معذور ہے، یہ نہج فقط اسلئے سامنے آیا کہ کیونکہ گذشتہ کئی برسوں سے دینی مدارس کے رجحانات میں زمانی ہم آہنگی کے بہترین مناظر یا مساعی دیکھنے کو نہیں ملتے ہیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ ان اداروں میں کیا پڑھایا جارہا ہے یہ بات کہنا ضروری ہے کہ اب دینی مدارس نے اپنی بنیاد اور اپنی روح کی طرح اپنے وجود کو بھی قدیم اور کہنہ بنانے کی جسارت شروع کر دی ہے، اور یقیناً یہ ان لوگوں کی فاش غلطی ہے، بہت سارے علیحدہ اجزاء کو فقط اس لئے ملا دیا گیا اور اسے ایک دوسرے میں حل کر دیا گیا تا کہ کسی بھی

دشواری و دقت میں یہ نشاندہی اس پر بھاری نہ پڑ سکے، دوسرے لفظوں میں یہ سوال قائم کر کے اسکی مزید وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ دینی مدارس کے اندرونی نظام تعلیم، بلکہ طریقہ نظام وطریقہ تعلیم پر کسی بھی طرح کی جائز نشاندہی کو اسلام کے خلاف اور قرآن کریم کے خلاف تنقید کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ تھنکنگ واضح طور پر یہ انکشاف کررہی ہے کہ اب دینی مدارس نے قرآن واسلام کو اپنے خامیوں کو چھپانے کے لئے ڈھال بنانا شروع کردیا ہے جو ایک افسوسناک امر ہے۔

ہم مدارس سے جس طرح کے کردار کا مطالبہ کررہے ہیں، اسکی فراہمی سے وہ یکسر قاصر ہیں، بلکہ اس قصور کی تاویل بھی کررہے ہیں اس پر مستزاد اس مطالبہ کو سراسر غیر اسلامی بھی قرار دیا جارہا ہے جو ایک طرح سے ذمہ داری سے فرار اور اس سے دستبرداری کی ایک شکل ہے۔

آج کل عصری ضروریات کو نئی تخیل کا نام دیا جارہا ہے اور یہ نام وہی لوگ دے رہے ہیں جو اپنی ملی وقومی فرائض سے فرار کے خواہاں ہیں دراصل بنیادی روح میں نیا شاکلۂ پرانے الفاظ نیا آہنگ اور کہنہ مطراب میں نئی موسیقی یہ جہاں وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہیں، خود روح، الفاظ اور مطراب کی شناخت بھی، دینی مدارس کو احساس ضرورت ہے مگر اس ضرورت کی تکمیل کا فراق نہیں، حالانکہ فی الوقت یہی تڑپ اور لگن مطلوب ہے۔

ایک اور بات جو باور کرانے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ فی زمانہ دینی ضرورتیں مسلمانوں کی ہیں، ان ضرورتوں کی تکمیل کا دعوی بھی محض ایک دعوی ہے، سوال یہ ہے کہ ائمہ کی فراہمی، مؤذنین کی دستیابی، مکتب میں بیٹھ کر رُوح الہ دین، کو زندہ کرنے والے علماء اور بے لگام تقریریں کرنے والے زبانی جمع خرچوں کی پیداواری سے کیا وہ تمام دینی ضروریات مکمل ہوجاتی ہیں؟ دنیا میں رہنے والے تعلیم یافتہ طبقہ کے دینی مسائل حل ہوجاتے ہیں؟ کمپنیوں میں کام کرنے والے افراد کی شرعی مشکلات نمٹ جاتی ہیں؟ اس سوال کا جواب جہاں بہت مشکل ہے وہیں بہت آسان ہے، فرق صرف یہ ہے کہ جو لوگ

دینی ضروریات کے حل کے لئے فتاوی کو حرف آخر سمجھتے ہیں انکا جواب اثبات میں ہوگا جو یقیناً آسان بھی ہے اور ایک طبقہ کو خوش بھی کرنے والا، مگر جن لوگوں کا نظریہ اس تناظر میں وسیع اور وسعت پسند ہے وہ اسکے جواب دینے میں بڑی مشکل میں نظر آتے ہیں۔

درحقیقت جب سے مدرسوں نے زندہ حقیقتوں سے دامن بچانے کا کھیل شروع کیا ہے اور اسی میں مگن رہنے کی عادت ڈالی ہے تب سے اس طرح کی صورتحال پیدا ہوئی ہے، اور تب سے ہی اس نے اپنے عصری کردار کا گلا بھی گھونٹنا شروع کیا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جب عصری ضروریات کی تکمیل اور اس کا احساس ہی نہیں ہوگا تو عصری کردار کہاں سے جنم لیں گے؟ سچ یہ ہے کہ اب ہمارے دینی مدارس کو اپنے افکار اور کردار میں جلا پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اسمیں وسعت، فراخ دلی اور ہمت پیدا کرنے اور احتیاط کے نام پر پیش ہونے والے دشواریوں کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، تب ہی جا کر دینی مدارس عصری میزانیہ میں باوزن ہو پائیگا، اس کی روح کی نجابت کے ساتھ ساتھ اسکا کارنامہ بھی مشہور ہوگا اور وہ محض دینی اشتہار نہ بن کر قومی شاہ کار بنے گا۔

دینی مدارس کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل

مدارس اسلامیہ کو مستقبل میں بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے۔ دنیا ایک نئے دور سے گزر رہی ہے اور شاید یہ نیا دور بہت جلد ہی دنیا میں اپنا تسلط وغلبہ حاصل کرلے۔ یہ دنیا مادیت پرست ہوتی جارہی ہے۔ ممکن ہے دنیا کی بنیاد ہی مادیت پر ہوجائے، ایسی صورت میں لوگ خدا کی وحدانیت، رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر اور دیگر ہفوات کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کی جستجو میں سرگرداں ہوجائیں تو ان سب کا تدارک اور مقابلہ ظاہر ہے مدارس کو ہی کرنا ہے، اس لئے اب مدارس کو اس کے لئے ایسے رجال کار پیدا کرنے ہوں گے جو روشن ماضی کی طرح مستقبل میں بھی آنے والے چیلنجوں کا بے خوف و خطر مقابلہ کریں۔ لیکن مدارس کی موجودہ شکل اس خیال وخوش فہم کی اجازت نہیں دیتی۔

مذکورہ بالا مسائل وچیلنجز کا کیا حل نکالا جائے ، اس قضیہ کے پیش نظر فکر ولی اللہی کے خدام نے انفرادی اور اجتماعی طور پر بہت سی کوشش کی ہیں ان کی مساعی جمیلہ کے اچھے ثمرات بھی ظاہر ہورہے ہیں، اس تعلق سے متعدد سیمینار اور کنونشن ہو چکے ہیں جن میں مفید تجاویز پاس ہوئیں ہیں لیکن عملی کارواں میں ویسا جوش وخروش نہیں جس کے ساتھ اجتماعوں کا انتظام کیا جاتا ہے اس لئے اس قسم کی آواز صدا بصحراء ہو کر رہ گئیں ۔

یہاں یہ بات بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں کہ مدرسہ کے چار اجزاء ترکیبی کو نظر انداز کر کے کوئی بھی مہم اس سمت میں کارگر اور بار آور ثابت نہیں ہوگی ۔

استاذ، طالب علم، نصاب تعلیم، تربیت جب تک ان چاروں پر گرفت نہیں ہوگی کوئی اقدام و پیش قدمی بے سود ہے۔ مدارس میں تبدیلی واصلاح کا عزم لیکر اٹھنے والے جب بھی اٹھتے ہیں تو صرف نصاب تعلیم کے اردگرد ہی وہ گھومتے رہتے ہیں، بلکہ ہر عبقری شخصیت کی تعمیر وشخصیت سازی میں اچھے اساتذہ اور ان کی تربیت کا اثر واضح اور نمایاں ہوتا ہے، عصر حاضر میں اس کا فقدان ہے اس کے علاوہ دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی بھی ناگزیر ہے۔ ناچیز کی اسی بات کو اس وجہ سے بھی تقویت حاصل ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں ملک کے بڑے ادارے اور ملی تنظیموں نے اس سمت میں اپنی دل چسپی کا اظہار کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کئی بڑے سیمینار، مباحثہ اور ورکشاپ اس حوالے سے ہو چکے ہیں۔

مدارس کے نصاب میں کلی تبدیلی نہیں جزوی تبدیلیاں وقت وحالات کا تقاضا ہے اس سے انحراف کی گنجائش نہیں ہے، نصاب تعلیم بناتے وقت جدید تعلیمی نظریہ سے استفادہ کیا جائے۔ عربی کے ساتھ دیگر زبان وادب سیکھنے کے عام اور مفید طریقوں کو اپنایا جائے، ہر مدارس میں انگریزی کو بحیثیت زبان وادب، سماجیات واقتصادیا اور سائنس کے مبادیات کو بطور تعارف ضرور داخل نصاب کیا جائے اسی طرح ترقی کے ہر وہ وسائل اور ذرائع اختیار کئے جائیں جو ہمارے لئے کار آمد ہوں ان سے آنکھیں پھیرے رکھنا عصر حاضر کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید مدارس دینیہ قائم کئے جائیں جو

قدیم مدارس وجدید عصری درسگاہوں سے ہم آہنگ ہوں اور دونوں کا سنگم ثابت ہوں ۔ ان میں ضروری علوم دینیہ، قدیم نصابی کتابوں کے منتخبات یا نئی مجوزہ کتابوں کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور قدیم منطق وفلسفہ کا وہ بیشتر حصہ جو گزرے زمانہ کے ساتھ گزر گیا، ان کی جگہ زمانے کی ضرورت کے مدنظر جبکہ جدید علوم کا بھرپور ذخیرہ شامل کیا جائے یہ نئے مدارس ان دونوں کا بآسانی احاطہ کرلیں گے چونکہ مدارس کے پاس عصری درسگاہوں کے مقابلے تعلیمی اوقات کا دوگنا ذخیرہ ہوتا ہے، ایسے مدارس کا اگر قیام عمل میں آجاتا ہے تو یہاں سے ہماری نسل ابھرے گی وہ اسلامی تعلیمات پر بھی دسترس رکھے گی اور جدید علوم عصریہ پر بھی اس کی گرفت مضبوط ہوگی اور پھر ہماری وہ کمی بھی پوری ہوسکے گی جس کا یہ عہد متقاضی ہے۔

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ہر مدارس اپنے اپنے طور پر مصروف عمل ہیں اس کی اصلاح نہایت ہی ضروری ہے، اگر ہمارے راستے ایک ہوجائیں، تمام کے تمام ایک لڑی میں پروجائیں تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ مدارس کو ایک بار پھر اسی عزم اسی حوصلہ کی ضرورت ہے جو ماضی میں رہا ہے، علماء کرام عزم مصمم لیکر اٹھیں اور حالات سے مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہوجائیں تو انشاء اللہ قوم مسلم کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

برخود نظر کشا، زتہی دامنی مرنج
درسینہ نو، ماہ تمامے نہادہ اند

ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ أجمعین. أما بعد!

قال اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن الکریم ”وما أرسلناک إلا رحمۃ للعالمین“ صدق اللّٰہ العظیم. وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”إنما بعثتُ لأتمِّمَ مکارمَ الأخلاق. أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام.

اسلام کی وحدت وصداقت کی اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ قرآن مقدس اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کے ہر خطہ میں ہر ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے اور اس پر دنیا کی تمام زبانوں میں تصنیفات وتالیفات پیش کی گئی ہیں۔ جہاں تک محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی بات ہے تو دنیا میں کوئی ایسی روحانی انقلاب آفریں شخصیت پیدا نہیں ہوئی جن کی سیرت کے گوناگوں پہلوؤں کو اہل قلم نے موضوع بحث بنایا ہو اور دنیا میں کوئی ایسی زبان بھی نہیں جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ حق شناسوں کے لئے یہ بدیہی حقیقت آج بھی ایک پیغام بن کر کھڑی ہے کہ آؤ اس شخصیت کی طرف جس نے اس کائنات میں عقل وخرد کے دریچے کھولے اور امن وآشتی کے دیپ جلائے، نیز وہی واحد شخصیت ہے جس نے آدمیت کو انسانیت کی راہ دکھائی، ایسی راہ جو کامرانی کی راہ ہے اور مقاصد تخلیقیت کی جانب لے جانے والی ہے۔ گہرے سمندر میں ڈوب کر حق وحقیقت کی موتیاں تلاش کرنے والے اہل قلم اور اہل فکر ودانش نے اللہ کے محبوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی زندگی سے اتنی روشن کرنیں سمیٹی ہیں کہ انھیں مرتب کرنے سے ان کا علم وایجاز عاری ہے اور ذوقِ

ادب بھی اپنی کم مائیگی کا اظہار کیئے بنا نہیں رہ پاتا۔

ہر شخص اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہروں میں غوطہ زن ہوتا ہے، مگر وہ اپنی بساط و ظرف کو ناکافی سمجھ کر باہر نکل آتا ہے، چنانچہ یہ اعتراف دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب پرداز وادب نواز کرتے رہے ہیں کہ ادب کے کینوس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو کبھی قید نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ سیرت کا ایک ہیولیٰ ابھرتا ہے کہ دوسرے لمحہ میں ہی اس سے زیادہ موثر، حسین اور بے نظیر ایک اور تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ماقبل کی قلبی جولانیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ تاہم ارباب قلم ہیں کہ مسلسل سیرت پیمائی کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہر روز نئی روشنی اور لطائف کی یافت ہو رہی ہے۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

محسن کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی پیغامات اور امتیازی اوصاف کے گرویدہ نہ صرف ان کو نبی برحق ماننے والے ہوئے، بلکہ دیگر مذاہب کے حقیقت پسندوں کو بھی اسوۂ نبوی میں کشش محسوس ہوئی۔ انھوں نے گرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تو نہیں مانا لیکن دنیا کے مہا پرشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست قرار دیا۔ اس کا ثبوت دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی کتابوں کے اوراق میں ملتا ہے اسی طرح ہندی زبان وادب کا دامن بھی سیرت نبوی کے شفاف نقوش سے پُر ہے۔ ہندی زبان میں کچھ ایسے افراد نے عشق نبوی سے سرشار ہوکر اپنے جذبات وعقیدت کا اظہار کیا ہے جن کا تعلق امت محمدیہ سے ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی حضور سے عشق وعقیدت کا اظہار کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین وایمان نہیں رکھتے ہیں وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار وکردار کے سامنے پروانہ وار ڈھیر ہوگئے، ہندی زبان میں سینکڑوں کتابیں اور مقالات شائع ہوچکے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ہمہ جہت پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین کے وصف جمیل کی بنا پر دنیا کا عظیم ترین انسان قرار دیا ہے تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو روئے زمین کے تمام انسانوں کے لیے راہ عمل اور سفینہ نجات ثابت کیا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اور عمل وکردار پر انگشت نمائی کرنے والوں کا مدلل ومبرہن جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ ہندی زبان وادب کا دامن بھی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیرنگیوں سے مالا مال ہے تو غلط نہ ہوگا، بلکہ ایک حقیقت ہے کہ ہندی زبان وادب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ادب کے ریشمی غلاف میں پیش کیا گیا ہے۔

ہندی ادب میں سیرت طیبہ کو چاہے جس اسلوب میں پیش کیا گیا ہو اس میں عقیدت ومحبت اور جذبات ووارفتگی کی روشنی محسوس کی جاتی ہے، سوامی وویکانند ہوں یا سوامی لکشمن پرساد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وکوائف کو بڑی محبت سے لکھتے ہوئے اسلام کے گرویدہ ہوجاتے ہیں انھیں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی جملہ کیفیات پوری انسانیت کے لیے رہنما اصول معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے افراد نے حضور کی زندگی پر قلم چلاتے ہوئے آں حضور کے ان اوصاف کو توشۂ قرطاس وقلم تصور کرتے ہیں جن کا تعلق انسانیت، بقائے باہم اور خلق خدا کے تئیں انصاف سے ہے، جتنے بھی غیر مسلم ادیبوں، شاعروں اور قلم کاروں نے ہندی زبان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر قلم اٹھانے کی کوشش کی ہے ان کا مطمح نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے وہ پہلو تھے جن کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم، ان کی امانت داری، خواتین کے حقوق ومقام کے تئیں ان کے رویے اور کمزوروں، ضرورتمندوں کے ساتھ احسان اور غیر مسلموں کے ساتھ اکرام وانصاف کے معاملے کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا ہے۔

ہندی مصنفین نے اپنی تحریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب آفریں اور محیر العقول کارکردگی پیش کرتے ہوئے خود بھی حیرت زدہ ہوئے بنا نہیں رہتے اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ نیز قارئین کو بھی حیرت زدہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس بات کی یہ متقاضی ہے کہ ارباب فکر ودانش اس جانب توجہ دیں۔

دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی طرح ہندی زبان میں سیرت رسول پر گراں قدر

کام نہیں ہوسکا۔ حضور کی ذات تمام مسلمانوں کے لیے منبع رشد وہدایت اور ان کی سیرت نمونہ کمال ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان نے اس منارۂ نور سے روشنی حاصل کرنے کے لیے ان کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور اس طرح سیرت نگاری کا ایک بہت بڑا سرمایہ مسلمانوں کا اثاثہ ہے جو دنیا کی کئی زبانوں کو مشک بار کیے ہوئے ہے۔ لیکن ہندی زبان میں سیرت کا بیش قیمت سرمایہ موجود نہیں ہے۔

سیرت کی تعریف

لغوی مفہوم

سیرۃ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع سِیَر ہے یہ لفظ دراصل سار یسیر سیراً ومسیراً سے نکلا ہے اور چلنے پھرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، سیرت کا مادہ سیر بمعنی چال ہے اس لیے اچھے چال چلن کو ''حسن السیرۃ'' بھی کہا جاتا ہے، مشہور عربی لغت ''لسان العرب'' میں لکھا ہے کہ السیر کے معنی ہیں چلنا پھرنا حدیث حذیفہؓ میں ہے ''**تَسَايَرَ عَنْهُ الْغَضَبُ**'' یعنی اس کے غصہ کے آثار رخصت ہوگئے، سیرۃ کا لفظ مسافت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور السیارۃ کے معنی قافلہ کے ہیں، السیرۃ کے معنی ہیئت کے بھی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ''**سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ**'' (طٰہٰ:21) یعنی ہم اسے اسی ہیئت پر کردیں گے جیسی یہ پہلی تھی، پھر سیرۃ کے معنی پہلے لوگوں کے واقعات واحادیث کو بیان کرنا بھی ہے، ایک اور عربی لغت ''تاج العروس'' کے مطابق سیرۃ کے معنی طریقہ کے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''**سَارَ الوَالِيُ فِي رَعِيَّتِهِ سِيرَةً حَسَنَةً**'' یعنی حاکم رعایا کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ برتاؤ کیا، احسن السیر کا مطلب ہے اچھا طریقہ اور ''ہذا فی سیرۃ الاولین'' کے معنی میں یہ بات پہلے لوگوں کے طریقوں میں بھی موجود ہے۔(۱) دو اور عربی لغات ''المعجم الاعظم'' اور ''مصباح اللغات'' میں لفظ سیرت کے یہ معانی درج کیے گئے ہیں:

(۱) جانا روانہ ہونا (۲) روشن طریقہ (۳) شکل وصورت (۴) ہیئت (۵) حالت (۶)

کردار (۷) سنت (۸) عادت (۹) کہانی۔ (۲)

اردو لغات میں سے ''جامع اللغات'' اور ''نسیم اللغات'' میں ذاتی جوہر بھی کہا ہے۔ (۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے میں سیرت کا مفہوم طریقہ و مذہب، سنت، ہیئت حالت اور کردار تک محدود نہیں بلکہ اس سے مراد داخلی شخصیت کا اہم کارنامہ اور اکابر کے حالات زندگی بھی ہیں۔

اصطلاحی مفہوم

سیرت کا لغوی مفہوم اگرچہ کسی نیک سرشت انسان کا انفرادی کردار، مزاج، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ اور اس کی سوانح عمری ہے، لیکن اصطلاح میں اس سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات کا بیان ہے۔ (۴)

اس لفظ کا اطلاق حضور سرور کائنات کی حیات مبارکہ پر پہلے بھی ہوتا رہا اور اب بھی اس کا اصطلاحی مفہوم یہی ہے سیرت کی اولین کتابیں چونکہ ''مغازی'' کہلاتی تھیں اس لیے سیرت کے معنی میں خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کا بیان اور بعد ازاں آپ کی زندگی کے حالات کا بیان شامل ہو گیا۔ (۵)

مغازی ان جنگوں کو کہتے ہیں جن میں حضور خود شریک ہوئے اس اعتبار سے ''مغازی'' کا دائرہ غزواتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریک جنگ اصحاب رسول تک محدود رہنا چاہئے تھا لیکن اس اصطلاح کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور عہد رسالت کے سارے واقعات پر کیا جانے لگا۔ (۶)

یہی وجہ ہے کہ محدثین اور ائمہ رجال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو ''مغازی'' اور ''سیرت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' (کتاب المغازی) میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں، کتب حدیث و فقہ میں بھی ''کتاب السیر

والجہاد'' کے عنوان سے جو باب باندھا جاتا ہے اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام ہی مراد ہوتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ: کئی صدیوں تک یہی طریقہ رہا چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں مثلا سیرت بن ہشام، سیرت بن عائذ، سیرت اموی وغیرہ ان میں زیادہ تر غزوات کے ہی حالات ہیں البتہ زمانہ بعد میں مغازی کے سواء اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں مثلا: ''مواہب لدنیہ'' میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے۔ (۷)

یہی لفظ ''سیرت'' آں حضرت کے حالات زندگی کے علاوہ دوسرے اہم اشخاص کی سوانح کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے مثلا کتاب ''سیرۃ معاویہ'' کتاب ''سیر الملوک'' وغیرہ۔ (۸)

اس کے علاوہ کئی مشہور تاریخی یا افسانوی شخصیت کے کارناموں کو بھی ''سیرت'' کا نام دیا گیا ہے مثلا سیرۃ عنترہ، سیرت سیف بن ذی یزن، سیرۃ صلاح الدین وغیرہ، دلچسپ بات یہ ہے کہ سیرت کے لیے قدیم زمانہ میں لفظ ''تاریخ'' بھی استعمال ہوا ہے مثلا امام بخاری کی تاریخ صغیر و کبیر۔ السخاوی نے ''الاعلان بالتوبیخ'' میں انفرادی اور اجتماعی سوانح عمریوں کو بھی تاریخ کے تحت درج کیا ہے۔

آج کل بھی سیرت کا لفظ صحابہ کرام علماء و فضلا اور دیگر نامور اشخاص کے لیے عام استعمال ہو رہا ہے، تاہم ڈاکٹر سید عبداللہ کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ ''تمام اشخاص کی بایوگرافی کو سیرت کہنا زیادتی ہے، کیونکہ کہ سیرت کے لفظ کو اصول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہئے''۔ (۹)

قرآن میں لفظ سیرت کا استعمال

قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی میں قال: ''**خذها و لا تخف سنعيدها سيرتها الأولى**'' (طٰہٰ آیت ۲۱) ہم نے فرمایا'' پکڑ لے (اے موسیٰ) اس کو اور ڈرو نہیں ہم اس ہیئت میں کر دیں گے

جیسی یہ پہلے تھی۔(۱۰)

اس آیت سے پہلے اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں اسے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اسے پھینک دے حضرت موسیٰ نے اسے پھینک دیا تو وہ یکا یک سانپ بن کر دوڑنے لگی، اس کے بعد مذکورہ بالا آیت آتی ہے جس میں لفظ ''سیرتھا'' استعمال کیا گیا، یہاں اس لفظ کے معنی ہیئت، حالت، شکل وصورت اور حقیقی کردار کے ہیں۔

احادیث میں لفظ ''سیرت'' کا استعمال

بعض احادیث میں لفظ ''سیرت'' اپنے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے ''مسند احمد بن حنبل'' میں دو ایسی احادیث موجود ہیں جن میں یہ الفاظ اپنے مخصوص معانی میں برتا گیا ہے۔(۱۱)

پہلی حدیث یہ ہے:

''قام علی رضی اللہ عنه. علی المنبر فذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم و استخلف أبوبكر رضي الله عنه وعمل بعمله وسار بسيرته حتى قبض الله. عز وجل. ثم استخلف عمر رضي الله عنه على ذالک فعمل بعملهما وسار سيرتهما حتى قبض الله .عز وجل على ذالک'' (۱۲)

(حضرت علیؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ کی روح قبض کر لی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب کیے گئے جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ جیسے کام کیے

اور آپ کی ''سیرت'' پر چلے حتی کہ اللہ تعالی نے ان کی روح کو بھی قبض کر لیا، آپ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب کیے گئے حضرت عمرؓ نے ان دونوں جیسے کام کیے اور ان کی ''سیرت'' پر چلے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بھی قبض کر لیا)

دوسری حدیث یہ ہے:

''عن أبي وائل قال: قلت لعبدالرحمن بن عوف: كيف بايعتم عثمان و تركتم عليا. رضي الله عنه قال: ماذنبي قد برأت بعلي فقلت: أبا يعک على كتاب الله وسنة رسوله و سيرة أبي بكر و عمر قال، فقال: فيما استطعت، قال: ثم عرضتها على عثمان فقبلها'' (۱۳)

(حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ آپ لوگوں سے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت کیوں کی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میں نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ میں ان میں سے جتنی بات کی استطاعت رکھوں گا اسے انجام دوں گا، پھر میں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں یہی بات پیش کی تو انہوں نے اسے تسلیم کر لیا۔(اول الذکر میں سار بسیرتہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ثانی الذکر میں سیرۃُ ابی بکر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں)

سرکار دوعالم، فخر موجودات، سرور کونین، خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیات پاک ہر انسان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہے۔ ایک

مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر قدم پر ہر ہر شعبہ زندگی میں سرکار دو عالم سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آخری پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی وعملی کمالات کے جامع اور انسان کا ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے۔ظاہر ہے کہ دنیا میں انواع واقسام کی تہذیب وثقافت ہر ملک کی زبان علاحدہ علاحدہ ہونے کے ساتھ ایک ہی ملک میں متعدد زبانیں رائج ہوتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت کا تقاضا ہے کہ آپ کی شخصیت کا تعارف ہر زبان میں ہو، تاکہ آپ کی سیرت وتعلیم کی آفاقیت کا دائرہ صرف ایک مخصوص قوم ومذہب تک محدود ہو کر نہ رہ جائے ’’مختلف زبانوں میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ‘‘ کے موضوع پر عالمی رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ بین الاقوامی سیمینار اسی سلسلہ کی ایک کامیاب کوشش ہے۔

یوں تو دنیا میں سینکڑوں زبانیں رائج ہیں لیکن سرزمین ہند میں ہندی زبان کو جہاں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے وہیں اس سے ہر خاص وعام وابستہ ہے۔اسی کے پیش نظر راقم الحروف نے اپنے مقالہ کا عنوان ’’ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ‘‘ منتخب کیا۔یہ حقیقت ہے کہ مصادر شریعت عربی زبان میں ہیں، لیکن ان سے استفادہ کے لیے ترجمہ نگاری کا فن کا سہارا لیتے ہوئے مذہب اسلام کے پیروکاروں نے اپنے اپنے علاقائی زبان میں بھی کماحقہ انہیں سمجھنے کی کوشش کی۔مصادر شریعت کو علی حالہ باقی رکھتے ہوئے پہلے اپنی زبان کو سیکھنے کی بھرپور جدوجہد کی گئی پھر دوسری زبان میں سمجھنے کی سہولت پیدا کی گئی۔ہندوستان میں ہندی زبان میں سیرت طیبہ پر کام کی کس قدر ضرورت ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ہندی زبان میں جس قدر سیرت کا کام ہونا چاہئے تھا میرے علم کے مطابق ابھی یہ موضوع کافی حد تک تشنہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف ایک مخصوص مذہب کے لئے نہیں تھی، بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا جس کا تقاضا ہے کہ آپ کے علوم و معارف اور سیرت پاک ہر زبان میں متعارف کرایا جائے آپ نے امت کو عقائد وعبادات

ہی کی ہدایت نہیں فرمائی بلکہ زندگی کے ہر میدان میں وہ حکمت آفریں ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین ودنیا کی نعمتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔اور اس کے بعد ہمیں رہنمائی کے لئے کسی کی جانب دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔بلکہ اگر دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ نمونہ فکر وعمل کو اپنا لے تو جس اضطراب وانتشار میں وہ آج پھنسی ہوئی ہے اس میں مبتلا نہ ہو۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ایک مشفق باپ اور ایک محبت کرنے والے شوہر ہیں اسی طرح امت محمدیہ کے حاکم وسربراہ، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو خالق کا بندہ بتانے میں ایک منفرد مثال قائم فرمائی ہے اسی طرح خدا کے بندوں کو باہم جوڑنے ان کے آپس کے معاملات منصفانہ بنیاد پر استوار کرنے اور ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے مستحکم نظام دنیا کو بخشنے میں جو کردار ادا کیا ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

ایک امیر یا سربراہ ملت کی حیثیت سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ ہمارے لیے روشنی کی ایک بنیاد ہے بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ حدود کے معاملہ میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں ہونا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے پہلی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

غور فرمائیے کہ حضور نے کس خوبی سے نکتہ بیان فرمایا کہ جرم اور غلطی ہر حال میں قابل سزا ہے اور اس معاملہ میں کسی امتیاز اور کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے جرم کرنے والا کوئی ہو کسی طبقے کا فرد ہو، کسی خاندان کا رکن ہو، کیسا ہی با اثر ہو، کیسا ہی دولت مند ہو اگر قانون کی خلاف ورزی کرے تو قانون اور انصاف کے مطابق سلوک کیا جائے گا اسی طرح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو عدل وانصاف اور مساوات وبرابری کی وہ بنیاد

عطا کردی کہ جو ایک مستحکم اور پر امن معاشرے کی ضامن ہے۔ تاریخ شاہد ہے اور حال بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہے کہ بادشاہ اور مطلق العنان آمر اپنی حکومت و جبروت کا سکہ جمانے اور اپنی ہیئت دلوں میں بٹھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے سامنے آکر اچھے اچھے سرغنے کانپنے لگتے ہیں، اپنا رعب جمانے کے لئے یہ بادشاہ اور حکمراں اپنے اردگرد وہ اسباب اور ماحول پیدا کرتے ہیں جن سے دیکھنے والا لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، لیکن ہمارے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام ظاہری لوازم اور اسباب سے بے نیاز تھے۔ سارے عرب کی حکومت آپ کے قدموں میں تھی۔ لیکن بوریہ نشینی میں آپ کو راحت تھی۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو ادبی انداز میں بیان کرنے کی جن علماو مصنفین نے کوشش کی ہے ان پر اجمالی نظر ڈالی جاتی ہے تو درج ذیل قلم کاروں کی خدمات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

ہندی زبان میں کتب سیرت	**مصنفین**
اللہ کے رسول کا ویوہار	محمد فاروق خان
آخری نبی	عبدالآتی
اللہ کے رسول کا برتاؤ اپنے صحابہ کے ساتھ	محمد فاروق خان
اسلام ایک سدھانت ایک آندولن	مریم جمیلہ
قرآن اور پیغمبر	سید ابوالاعلیٰ مودودی
کرانتی دوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	نعیم صدیقی
نبی کریم کی دعائیں	محمد فاروق خاں
پیارے نبی کیسے تھے	مائل خیرآبادی
رحمۃ اللعالمین	سید ابوالاعلیٰ مودودی
حضرت محمد ایک مہان سماج سدھارک	پروفیسر مرزا رفیع الدین

حضرت محمد کا سندیش	سید ابوالاعلیٰ مودودی
حضرت محمد کے سندیشوں کے مول تتو	سید ابوالاعلیٰ مودودی
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیون اور سندیش	سید ابوالاعلیٰ مودودی
پیارے رسول	افضل حسین
آخری پیغمبر	سید محمد اقبال
پیغمبر اسلام ودوانو کی نظر میں	امام الدین رام نگری
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا سید حامد علی
مانو تا اپکارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم	ڈاکٹر محمد احمد
حضرت محمد سب کے لیے	مولانا عنایت اللہ سبحانی
جیون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا عنایت اللہ سبحانی

غیر مسلم مصنفین

اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر رام کرشن راؤ
پیارے نبی کی کہانی	ڈاکٹر سوگم چند مکتیش
حضرت محمد اور بھارتیہ دھرم گرنتھ	ڈاکٹر ایم اے شری واستو
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	سوگم چند مکتیش
عرب کا چاند	سوامی لکشمن پرساد
حضرت محمد کا آدرش	شری ناتھورام

ہندی زبان میں لکھی گئی کتب سیرت کے اقتباسات:

۱۔ پرئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگت میں 40 سبھائیں
عادل بن علی اسدی (ترجمہ) عطاء الرحمٰن

اس کتاب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق اہم معلومات کو 42 سبھاؤں کے ذریعہ بتانے کی ایک کامیاب کوشش کی گئی ہے، جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر حقوق، انصاف میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک، آپ کی سچائی امانت، خصوصیات، آپسی زندگی، ازدواجی زندگی، عدل وانصاف اور خواتین کی قدروں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۲۔ وشوویاپی اور نتئے آدرش کیول اللہ کے پیغمبر ہیں

اس مقالہ میں اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تصویر، آپ کی دعوت کا دیگر مذاہب سے موازنہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جس کی زندگی کو پوری دنیا کے لیے زندگی کا آئیڈیل نمونہ مانا گیا ہو اس کے علاوہ ادبی انداز میں آپ کی تعلیمات کو سمجھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ عید میلاد النبی کا اتیہاسک ایوم دھارمک درشٹئے (عطاء الرحمٰن، ضیاء اللہ)

اس کتاب میں عید میلاد النبی کا تاریخی و مذہبی جائزہ لیا گیا ہے کہ ہر سال ماہ ربیع الاول میں ۹؍تاریخ کو بڑی دھوم دھام اور ہر سال جوش وجذبہ کے ساتھ عید میلاد النبی منایا جاتا ہے جب کہ فی الواقع تاریخی حیثیت اور مذہبی روشنی میں یہ کام سراسر خلاف ہے، اس کتاب میں عید میلاد النبی کا تاریخی و مذہبی جائزہ احادیث کی روشنی میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہیلا کا سمّان (شریف الرحمٰن، ضیاء اللہ مدنی)

اسلام دشمن عناصر یہ اچھالتے رہے ہیں کہ اسلام نے خواتین پر ظلم ڈھایا ہے اور انہیں ان کے اختیارات سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن یہ سراسر کذب وافترا پر مبنی ہے جب ہم اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں کہ اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح سے خواتین کو عزت و احترام عطا کیا، پوری زندگی میں ان کے ساتھ عدل و انصاف کو برقرار رکھا، اور اس کی تلقین کی، اور خواتین کو ایسے اختیارات وحقوق دیئے جن کی وہ توقع بھی نہیں کر سکتی تھیں، تو ہم حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، یہ کتاب انہی حقائق کو نہایت ادبی انداز میں پیش کرتی ہے کہ پیغمبر اسلام کا برتاؤ خواتین کے ساتھ کیا رہا؟

۵۔ اسلام دھرم کے مول سدھانت (عطاء الرحمٰن)

اسلام ایک کامل و مکمل دھرم ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے، مذہب اسلام کے پیروکار کا دوسرے کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے اور وہ جس سماج میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں مختلف مذاہب کے افراد کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے، دونوں فریق کے بارے میں پیغمبر اسلام نے واضح رہنمائی کی ہے، اس کتاب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے کس طرح سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنایا اور پیغمبر اسلام نے کس اسلوب کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور لوگ کس طرح اسلام کی صف میں شامل ہوئے۔

۶۔ اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم (پروفیسر کے ایس کرشنا راؤ)

اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ایک مقبول عام ہند و داعی پروفیسر کے ایس کرشنا راؤ کی لکھی ہوئی کتاب جس میں اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور پیغمبر اسلام کی خصوصیات و امتیازات کو ادبی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ہر طرح سے مقبول عام ہے۔

۷۔ اسلام کرپا ایوم دھرم (خالد ابو صالح)

اسلام احسان و نرم خوئی کا مذہب ہے اس کتاب میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسلام سراپا امن و شانتی اور عفو و کرم کا دھرم ہے اور اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کی طرف سے بھٹکتی ہوئی روح کے لیے صلہ رحمی کے سرچشمہ ہیں۔ اس کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حسنہ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

(۸) اسلام دھرم کی مہانتا (عطاء الرحمٰن، ضیاء اللہ)

اسلام ایک عظیم و مسلم مذہب ہے اس کتاب میں اسلامی نظام زندگی کی خصوصیات و امتیازات کو ادبی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے اسلام کی آفاقیت دیگر ادیان و مذاہب پر بالکل عیاں ہے۔

(۹) اللہ کے پیغمبر کے سدے ویوہار کے کچھ درشن (عطاء الرحمٰن، ضیاء اللہ)

یعنی اللہ کے پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی کی بعض خصوصیات: انسانیت کے لیے یہ باعث شرم ہے کہ انسانیت کے علمبردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت پر سخت گیر اور عدم صلح پسندی کا الزام عائد کر کے ان کی بے عزتی کی جائے، جن کی زندگی اور بعثت کا مقصد ہی اخلاقیات کا فروغ تھا، اس کتاب میں

انہیں پہلوؤں کو اجاگر کر کے معترضین کے اعتراضات کا خوش اسلوبی کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔

۱۰۔ اسلام دھرم کی وشیستا (محمد بن عبدالوہاب)

اس کتاب میں اسلام کی خصوصیات اور اس کے حقائق کی تفصیل ہے کہ اسلام ایک سچا دھرم ہے اور یہی وہ قابل اعتماد دھرم ہے جس کو قبول کیے بغیر کسی انسان کو جنت کی ہوا تک نہیں لگ سکتی۔ نیز تمام لوگوں پر اسلام کو قبول کرنا اور اس کے علاوہ مذہب کو ترک کرنا لازم ہے جو شخص اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا دین و دھرم قبول نہیں کرے گا۔ نیز اس کتاب میں اس کا بھی خلاصہ ہے کہ بدعات کا فروغ بھی معاشرہ کے لیے ناسور ہے۔ اس لئے بدعات سے بھی زندگی کو پاک رکھنا چاہئے۔

۱۱۔ جس کا انتظار تھا (ماہر القادری)

276 صفحات پر مشتمل کتاب میں ماہر القادری نے نہایت شیریں انداز میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو بیان کیا ہے، آپ کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات بلیدان کی صبح، پاکباز عبداللہ، شام کی اور، آمنہ بیوہ ہوگئیں، حلیمہ کے یہاں، غموں کے دو پہاڑ، چچا کا

سہارا، جوانی، لڑائی رک گئی، شام کی یاترا سے ویواہ تک، پہلی شادی، سچائی کی مخالفت، پتھروں کی بارش، عام الحزن، مدینہ کا سفر، مکہ کی جیت، مکہ میں، مکہ میں فتح کے بعد، غزوہ تبوک، جان نچھاور کرنے والے ایک صحابی، بادشاہوں کے نامے جیسے عناوین کے تحت ادبی انداز میں یہ کتاب تحریر کی گئی ہے انداز نگارش میں ادبی پہلو جس قدر نمایاں ہے کہ اس سے کسی قاری کو انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

۱۲۔ عرب کا چاند (سوامی لکشمن پرساد)

کتاب ''عرب کا چاند'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر مشتمل ہے ابتدائے اسلام سے آج تک نہ جانے کتنی بے شمار کتب مختلف زبانوں میں مؤرخانہ انداز میں عالمانہ انداز میں، عارفانہ انداز میں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ لیکن ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر جس طرح مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب ''النبی الخاتم'' اردو میں ادبی حیثیت سے اپنی انفرادیت رکھتی ہے اسی طرح ہندی میں ''عرب کا چاند'' اپنی شان انفرادیت کا ایک عجیب وغریب شاہکار ہے۔ چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب بیشتر لوازمات سیرت نگاری سے متصف ہوتے ہوئے اپنے انداز کی ندرت و

جدت کے اعتبار سے سرمایہ افتخار ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے جس نے قومی تعصب سے بالاتر رہ کر حقیقت سناش کے جذبہ سے خاتم الانبیاء کی حیات طیبہ کو ایسے ادبی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کا مطالعہ نہ صرف داد تحسین بلکہ قابل رشک ہے۔

۱۳۔ جیون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مولانا عنایت اللہ سبحانی)

مسلم معاشرہ میں ماہ ربیع الاول بڑا مبارک سمجھا جاتا ہے، یہ مہینہ ہمارے لئے اور سچ پوچھئے تو سارے انسانوں کے لئے بھی نہ بھولنے اور ہمیشہ یادرکھنے والا ہے اب سے کوئی چودہ سو سال قبل اسی ماہ کی نویں تاریخ پیر کے دن صبح سویرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ مصر کے ایک عالم دین محمود پاشا فلکی نے حساب لگا کر بتایا کہ انگریزی کے مطابق ۲۰ راپریل ۵۷۱ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اب سے چودہ سال قبل عرب اور ساری دنیا کا حال کیا تھا اگر آپ اس پر غور کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ یہ دن سارے انسانوں اور پوری دنیا کے لئے کتنا بڑا اور کیسی خوشی کا دن ہے۔ اور آج بھی جب کہ چاروں طرف لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، شراب خوری، بے شرمی اور بدکاری کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، یہ وہی دن ہے جو ہمیں ایسی ہستی کی یاد دلاتا ہے جو رہتی دنیا تک تاریکی کو روشنی میں بدلتی رہے گی۔ دور دور تک پھیلے ہوئے تاریکی میں روشنی

کا اکیلا مینار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا میاں عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ نام کیوں رکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کی ساری دنیا تعریف کرے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی۔

حلیمہ سعدیہ کی گود میں

اس زمانہ میں عرب کا یہ رواج تھا کہ شہر کے بڑے لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلوانے کے لئے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہاں کی کھلی فضا میں رہ کر خوب موٹے تازے ہو جائیں، اس زمانہ میں عرب کے دیہات کی زبان شہروں سے زیادہ صاف اور زوردار ہوتی تھیں، دیہات میں رہ کر بچوں کی زبان خوب اچھی ہو جاتی تھی۔ پیارے نبی کو بھی اس رواج کے مطابق حلیمہ نام کی ایک دائی کو سونپ دیا گیا۔ دائی حلیمہ ''سعد'' قبیلہ کی تھیں اس لئے ان کو حلیمہ سعدیہ کہتے ہیں۔ آپ حلیمہ سعدیہ کے پاس تقریباً چار سال رہے آپ حلیمہ اور ان کے بچوں کو بہت چاہتے تھے۔ جب آپ نبوت سے سرفراز کئے گئے تو حلیمہ، کے شوہر اور بچے سب مسلمان ہو گئے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت کو ادبی انداز میں بیان کرتے ہوئے مولانا عنایت اللہ سبحان اپنی کتاب ''جیون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' میں رقمطراز ہیں:

> ''ماں باپ کی آنکھیں بند ہوئیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے محروم نہ ہوئے یہ اسی کی بڑی مہربانی تھی کہ آپ کو ایسا دادا ملا جو آپ پر ماں باپ کی طرح مہربان تھے، پھر ایسے چچا ملے جنہوں نے آپ کو کبھی یتیم کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو ابوطالب نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا، یہ عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آپ کے چچا تھے، عبدالمطلب نے ان کو اپنی موت سے قبل

ان کوآپ کا سرپرست بنایا تھا۔اور وصیت کر گئے تھے کہ محمد کا خیال رکھنا اور ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال میں کوئی کسر باقی نہ رکھنا۔عبدالمطلب کی کئی بیویاں تھیں، ان بیویوں سے دس بیٹے تھے، ابوطالب نہ تو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور نہ سب سے زیادہ مالدار تھے لیکن سب سے زیادہ باوقار تھے۔سنجیدگی وشرافت میں سب سے آگے تھے۔عبدالمطلب کی طرح ابوطالب بھی آپ کو بہت چاہتے تھے ہمیشہ بھتیجہ کو اپنے ساتھ رکھتے سوتے تو ساتھ لے کر سوتے کہیں جاتے تو ساتھ لے کر جاتے آپ کے آگے نہ ان کو اپنی جان کی پرواہ ہوتی نہ اپنے بچوں کی۔ان کو آپ سے اتنی محبت کیوں تھی، آپ دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے رہتے وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے اندر سچائی اور ایمانداری ہے، شرافت اور پاکبازی ہے، ابھی آپ کی عمر ہی کیا تھی؟ بالغ بھی نہ ہوئے تھے۔(۱۴)

۱۴۔ وشونیتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی ہندی تصنیف ''وشونیتا میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر تحریر فرماتے ہیں: ''مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سرور عالم'' کہتے ہیں، سیدھے سادھے الفاظ میں اس کا معنیٰ

ہے ''دنیا کا سردار'' ہندی میں اس کا معنیٰ ''وشونایک'' ہوگا اور انگریزی میں ''لیڈر آن دی ورلڈ'' دیکھئے کسی شخص کو وشونیتا کہنے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہونی چاہئے کہ اس نے کسی خاص ذات، نسل یا طبقہ کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کیا ہو ایک محبّ وطن یا قوم پرست لیڈر کا آپ اس شکل سے جتنا چاہیں احترام کریں کہ اس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی، لیکن آپ اس کے ملک کے باشندہ نہیں ہیں تو وہ کسی حالت میں آپ کا نیتا نہیں ہوسکتا، جس شخص کی محبت، دردمندی، فکرمندی کے کام چین یا اسپین تک محدود ہو مجھ ہندوستانی کو اس سے کیا مطلب کہ میں انہیں اپنا قائد تسلیم کروں۔ بلکہ وہ اپنی ذات کو دوسروں سے اعلیٰ قرار دیتا ہے اور دوسروں کو گھٹا کر اپنی ذات کو بڑھانا چاہتا ہے تو میں اس سے مناقشہ کرنے کا پابند ہوں۔سبھی ذات کے لوگ کسی ایک شخص کو اپنا قائد اسی وقت تسلیم کر سکتے ہیں جب ان کی نظر میں سبھی ذات اور سبھی انسان مساوی ہوں وہ سب کا احترام اور سب کے لئے دل دردمند رکھتا ہو۔

دوسری اہم شرط یہ ہے کہ اس نے ایسی سچائی پیش کی ہو جو ساری دنیا کے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہو۔اور جن میں بنی نوع انسانی کے جملہ مسائل کا حل بھی موجود ہو، لیڈر کے معنی ہی ہیں رہنما، لیڈر کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ وہ فروغ اور ترقی کی رہنمائی کرتا ہے یعنی دنیا کا قائد وہی ہوسکتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کو ایسی راہ بتائے جس میں سبھوں کی ترقی کا راز پنہاں ہو۔

قائد ہونے کیلئے تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص مدت کے لئے نہ ہو بلکہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں یکساں طور پر مفید اور کارگر ہو۔ جس قائد کی رہنمائی ایک مدت میں نفع بخش اور دوسری میں ضرررساں ہو تو اس کو عالمی قائد نہیں کہا جاسکتا۔ اپنا قائد بھی وہی ہے کہ جن کی رہنمائی رہتی دنیا تک کے لئے ہو۔ چوتھی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ اس نے صرف سچائی ہی پیش کرنے پر اکتفانہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کئے ہوئے اصولوں پر زندگی میں سختی سے عمل بھی کیا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتا جاگتا معاشرہ تعمیر کیا ہو۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ مذکورہ بالا چاروں شرطیں اس عظیم شخصیت میں کہاں تک پائی جاتی ہیں جن کو ہم ''سرورعالم'' ''وشونیتا'' کہتے ہیں، پہلی شرط کو پہلے لیجئے۔ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں محسوس کرلیں گے کہ یہ کسی قوم پرست یا وطن پرست کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی زندگی ہے جس میں تمام بنی نوع انسانی سے محبت والفت یکساں طور پر موجود ہے، ان کی نظر میں سارے انسان برابر تھے، کسی خاندان، کسی طبقہ کسی ذات، کسی نسل، کسی ملک کے خصوصی منافع سے انہیں قطعی مطلب نہیں تھا۔ امیر، غریب، اونچ نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، ایشیائی اور یورپین، شامی اور آریہ سب کو وہ ایک نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے کہ سب ایک ہی انسان کے پارٹ ہیں ان کے منھ سے زندگی میں کبھی بھی ایسا لفظ نہیں نکلا اور نہ ہی زندگی میں انہوں نے کوئی ایسا کام کیا جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو کہ انہیں ایک خاص طبقہ کے لوگوں سے زیادہ محبت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرامی، رومی، مصری اور اسرائیلی اسی طرح سے ان کے کاموں میں معاون رہے جس طرح سے عرب اور انکے بعد دنیا کے ہر گوشہ گوشہ ہر نسل اور ہر ذات کے لوگوں نے انہیں اپنا قائد تسلیم کیا۔ اب دوسری شرط کو لیجئے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص برادریوں اور خاص ملکوں کے مسائل کو حل کرنے پر ہی اپنا وقت صرف نہیں کیا بلکہ اپنی پوری توانائی اس مرکزی مسئلہ کو حل کرنے میں

صرف کیا جس پر ان چھوٹے چھوٹے مسائل کا دارومدار تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے اس عظیم مرتبہ پر فائز تھے جو آغاز سے ہی انسان کو خدا پرستی کی تعلیم دینے کے لئے متحرک رہے، ایک خدا کی بندگی کی تعلیم جو ہمیشہ پیغمبروں کا امتیاز رہا ہے انہوں نے کسی نئے خدا کی بندگی کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی ایسی چیز کی تعلیم دی جو ان کے اختیار سے باہر ہو۔ (۱۵)

۱۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آدرش (شری ناتھورام)

> شری ناتھورام اپنی کتاب ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آدرش'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے پیغام پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج جب ہم پیغمبروں کی زندگی اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ان مہربان پیغمبروں کی مخالفت لوگوں نے کیوں کی سچی باتوں پر مبنی ان کی تعلیمات کو باشندگان وطن نے کیوں قبول نہیں کیا۔ ہر نبی کی ان کے اپنے دور میں مخالفت کی گئی۔ انہیں اذیت پہنچائی گئی۔ ان پر ہر طرح کے ظلم وستم ڈھائے گئے۔ قرآن اس سچائی کو ان مناظر میں بیان کرتا ہے۔ کوئی بھی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جن کو اذیت نہ پہنچائی گئی ہو، اسی سچائی کی طرف ورقہ بن نوفل نے اشارہ دیا تھا کہ یہ قوم تمہیں جھٹلائے گی، تم پر ظلم ڈھائے گی، ملک بدر کردے گی اور تم سے لڑائی کرے گی: (۱۶) (سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص: ۲۵۶)

اورآگے ورقہ بن نوفل کہتے ہیں کہ کاش اس وقت میں موجود ہوتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال باہر کرے گی۔اسے سن کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت غم واندوہ کے ساتھ کہا کہ کیا میری قوم مجھے اپنے وطن سے نکالدے گی؟ ورقہ نے جواب دیا: آپ جس چیز (نبوت) کولے کرآئے ہیں اسے لے آنے والا ہر شخص ظلم کا شکار ہوا ہے۔(بخاری) شری ناتھورام مزید آگے لکھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ زمانہ یکساں نہیں ہوتا مختلف برادریوں کے رسم و رواج میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی مخالفت کئے جانے کی وجہ بھی متعدد رہی ہوں گی۔ ہر پیغمبر کی مخالفت کی وجوہات کا پتہ لگانا آج ہمارے لئے مشکل ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انبیاء پر مظالم ڈھائے جانے کی وجہ بھی متعدد ہیں۔لیکن آپ کے مخالفین کے حالات کا صحیح علم ہوجائے تو مختلف پیغمبروں پر کئے گئے ظلم وستم کی وجوہات سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی، اسی لئے سب سے پہلے ہم پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے حالات اور آپ سے انکے معاملات کاتفصیلی مطالعہ کریں گے:

مخالفت کرنے والے لوگ

تین طبقہ کے لوگوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ان میں پہلا طبقہ مشرک، دوسرا یہودی جبکہ تیسرا منافق ہے، ان تینوں طبقہ کے لوگوں کی مخالفت کی وجہ

الگ الگ تھی اور مخالفت کے طریقے بھی جداگانہ تھے،مشرک: عرب کے اصل باشندہ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ ان بتوں کے پاس تمہارے تحفظ و دفاع یا تم کو سزا دینے کی کوئی صلاحیت ان میں نہیں ہے تو ان کا جواب تھا ''ہم ان کی پرستش صرف اللہ تعالی تک پہنچنے کے لئے کرتے ہیں اسی طرح تمام مشرک اپنی بت پرستی کی یہی وجہ بیان کرتا تھا اور آج تک یہی کہا جارہا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں اس بات کو واضح کردیا گیا کہ اللہ ایک ہے اور وہی سب کا پالن ہار ہے انسان بےبس و بےسہارا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں

اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کیا آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و تعلیمات کا جن لوگوں نے بھی غیر جانبدار ہوکر مطالعہ کیا وہ آپکی عظمت واہمیت سے انکار کی جرأت نہیں کرسکا۔ہم یہاں چند بااثر مؤقر غیر مسلموں کے خیالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیش کرتے ہیں:

امن وسلامتی کے پیغمبر

سوامی وویکانند کہتے ہیں کہ

> ''پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں امن وسلامتی کے پیامبر تھے وہ انسانی زندگی میں الفت ومحبت کے علمبردار تھے۔ ان کے مذہب میں ذات، برادری، نسل وغیرہ کی کوئی جگہ نہیں ہے سوامی وویکانند اسلام سے بہت ہی متاثر تھے اور اس کے بھائی چارہ کی سچائی سے مرعوب بھی تھے۔ الموڑا سے بتاریخ 10 جون 1898 کو اپنے ایک دوست

نینی تال کے محمد سرفراز حسین کو بھیجے ہوئے خط میں انھوں نے لکھا کہ ''اپنے تجربہ سے ہم نے یہ جانا ہے کہ روزمرہ کی معاشرتی زندگی میں اگر کسی مذہب کے اندر عدل وانصاف اور مساوات کو اپنایا گیا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔اسلام پوری انسانیت کو مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی مطلوب ہے۔ اس لئے ہمارا یہ یقین ہے کہ معاشرتی زندگی اسلام کے تعاون کے بغیر ناقص ہے''۔(۱۷)

سوامی وویکانند نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ

''ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت تلوار (طاقت کے بل پر یا دھوکہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی ہے۔(۱۸)

سی ایس شری نواس ''ہسٹری آف انڈیا'' میں جو مدراس سے 1937 میں شائع ہوتی تھی تحریر فرماتے ہیں:

''اسلام کے پیغمبر نے جب ایک منتظم کا عہدہ پایا تو بھی آپ کی زندگی ماقبل کی زندگی کی طرح سادہ رہی۔ آپ مصلح بھی تھے اور فاتح بھی آپ نے لوگوں کے اخلاق کو بلند کیا منتشر قبیلوں کو یکجا کیا اور ان کے درمیان ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا اپنے لوگوں کو پستی وگمراہی پر پایا لیکن ان کو صداقت کا پیغام دے کر بلندی سے سرفراز کیا۔ ان کو آپسی خاندانی جھگڑے میں ملوث پایا مگر ان کو آپسی اخوت ومروت کے رشتہ میں جوڑ دیا۔ گویا کہ آپ سبھوں کے لئے رحمت بن کر آئے''۔(۱۹)

زندگی کا پیغام

سرور کائنات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مہاتما گاندھی کے خیالات اس طرح ہیں:

''میں پیغمبر اسلام کی زندگی کا مطالعہ کر رہا تھا جب میں نے کتاب کی دوسری جلد بھی ختم کر دی تو مجھے دکھ ہوا کہ اس عظیم الشان زندگی کا مطالعہ کے لئے اب میرے پاس کوئی کتاب نہیں۔ اب مجھے پہلے سے بھی زیادہ یقین ہو گیا کہ یہ تلوار کی طاقت نہ تھی جس نے اسلام کے لئے پوری دنیا میں فتح حاصل کی۔ بلکہ یہ اسلام کے پیغمبر کی انتہائی سادہ زندگی تھی اور آپ کا حسن سلوک تھا آپ اپنے ساتھیوں سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور خدا پر بھروسہ کرتے تھے۔ یہ تلوار کی قوت نہیں تھی۔ بلکہ وہ امتیازی خصوصیات تھیں جن کے ذریعہ تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں اور اسلام کو فتح ونصرت ملی۔

مجھ سے کسی نے کہا کہ جنوبی افریقہ میں جو یورپین آباد ہیں اسلام کی تشہیر سے کانپ رہے ہیں اس اسلام سے جس نے مورّکو میں روشنی پھیلائی اور باشندگان عالم کو بھائی بھائی بن جانے کا پیغام دیا اس میں کوئی شک نہیں کہ جنوبی افریقہ کے یورپین اسلام سے نہیں ڈرتے ہیں۔لیکن فی الواقع وہ اس بات سے خائف ہیں کہ اگر افریقہ کے آدی واشیوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے برابری کا درجہ مانگنے پر اتر جائیں گے۔ آپ ان کو ڈرنے دیجئے۔ اگر بھائی

بھائی بننا پاپ ہے، اگر وہ اس بات سے پریشان ہیں کہ ان کی نسلی برتری باقی نہ رہ پائے گی تو ان کا ڈرنا بالکل مناسب ہے۔ کیوں کہ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ایک سیاہ فام عیسائی ہو جاتا ہے تو وہ سفید رنگ کے عیسائیوں کے برابر نہیں ہوسکتا۔ مگر جیسے ہی وہ حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے بالکل اسی وقت وہ اس پیالے میں پانی پیتا ہے اور اسی طشتری میں کھانا کھاتا ہے جس میں کوئی اور مسلمان پانی پیتا اور کھانا کھاتا ہے۔ تو سچائی یہی ہے جس سے یورپین کانپ رہے ہیں‘‘۔(۲۰)

انسانیت پھر زندہ ہوتی

سوامی لکشمن پرساد لکھتے ہیں:

’’حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل دنیا میں کہیں بھی کوئی امید کی کرن نہیں دکھائی دیتی تھی عالمگیر گمراہی و تاریکی چھائی ہوئی تھی دور دور تک تہذیب وثقافت کی روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ جب شرافت کا نام ونشان مٹ چکا تھا اور روحانیت کی خوبصورت افکار ذات باری تعالیٰ کے افکار کی وجہ سے چھپ گئی تھی۔ انسان خدائی عظمت کو فراموش کر کے خود ساختہ بتوں کی پرستش کرنے لگے تھے۔ اسی دوران عرب کی چوٹی سے نور چمکا جس نے دنیا کے حالات کو یکسر بدل دیا۔ گوشہ گوشہ کو نور ہدایت سے جگمگا دیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل مکہ کی گلی سے ایک انقلابی آواز اٹھی جس نے ظلم وستم کے ماحول میں تہلکہ مچا دیا۔(۲۱)

سبھی بنی نوع انسانی کے رہنما

لالا کاشی رام چاولہ:

’’اے مسلم بھائی‘‘، میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ورافت کو ادبی انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سبھی مذاہب کے بانی بڑے بڑے گھرانوں میں پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش پر بڑا دھوم دھام مچا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بدھ بھگوان، حضرت موسیٰ علیہ السلام، بھگوان کرشن، بھگوان مہاویر، گرونانک سبھوں کا بچپن انتہائی لاڈ پیار، شان وشوکت سے گزرا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانیوں کا سلسلہ ولادت سے قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں ماں کی ممتا سے محروم ہو گئے، دو سال دادا کی گود میں کھیلے اور آٹھویں سال میں وہ بھی وفات پا گئے۔ پھر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری لی۔ کیا یہ خدائی چمتکار نہیں کہ اس صورت میں زندگی بسر کرنے والے کو قائد تسلیم کیا جا رہا ہے۔ کسے معلوم تھا کہ اسی سادہ خاندان میں پیدا ہونے والا امی سرزمین عرب سے جہالت وناخواندگی کو مٹانے کا سبب بنے گا۔

پوری کائنات میں اسلامی پرچم لہرانے والا رسول ہوگا۔ قرآن کا پیغام پہنچانے والا نبی ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کا جو پیغام دنیا کو دیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ آپ کی

رحمدلی کا حال یہ تھا کہ آپ نے اپنی زندگی میں نہ کبھی کوئی غلط بات کہی اور نہ کسی جاندار کو تکلیف پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر قبیلوں کے سرداروں کا احترام کرتے تھے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے باوقار طریقے سے ملاقات کرتے تھے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ساری رات عبادت کرتے تھے وہیں مخالفین کے لیے دعائیں بھی مانگتے تھے۔ جب غزوۂ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے تو آپ نے فرمایا: یا اللہ تو میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کررہے ہیں۔ یہ آپ کا معجزہ ہی ہے کہ عرب کے جھگڑالوں، جواری، شرابی اور سوتیلی ماں سے شادی کرنے والے آپ کی محنت سے ایماندار اور دوسروں کے لیے ہادی بن گئے۔ (۲۲)

ایک عرب نے ساری دنیا کا بول بالا کردیا
خاک کے ذروں کو ہم دوش ثریا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ساری دنیا کے لیے امن کے پیامبر

شری دیوداس گاندھی جو آنجہانی مہاتما گاندھی کے بیٹے تھے اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

ایک عظیم المرتبت شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

سرزمین عرب کو اس وقت روشن کیا جب پوری دنیا میں گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی اور جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ اپنا سارا کام مکمل کرچکے تھے۔ (۲۳)

آخری بات

سیرت نبوی پر غیر مسلموں نے وقیع مضامین تحریر کیے ہیں اور بہت سی کتابیں بھی منظر عام پر آئی ہیں تاہم ہندی زبان میں سیرت کے موضوع پر بہت بڑا ذخیرہ تو نہیں ہے البتہ کچھ کتابوں کے ہندی ترجمے اور ہندی کے بعض مصنفین نے جو کچھ تحریر کیے ہیں وہ یقیناً ہندی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ عشق وعقیدت کی چادر میں لپٹی ہوئی تحریر عام طور پر ایسے غیر مسلموں کی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی خدمات انسانی اوصاف سے متعلق ہے، چنانچہ ہندی زبان کے اکثر مصنفین نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت و جفاکشی، امانت و دیانتداری عدل وانصاف مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ربط وہم آہنگی ایفاء عہد غریبوں ومسکینوں سے ہمدری، ضرورتمندوں اور محتاجوں کی دادرسی جیسی صفات پر قلم اٹھایا ہے اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندی زبان وادب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جتنا بھی مواد ہے اس کا تعلق محض عقیدت نبوی سے ہے۔ تاریخی حیثیت سے سیرت نبوی پر کام نہیں کیا گیا اور نہ ہی ترجمہ کا ہی کام وافر مقدار میں ہو پایا ہے۔

اس لیے ہندوستان کے تناظر میں یہ ضروری ہے کہ سیرت کے گراں قدر ذخیرہ کو ہندی زبان وادب میں منتقل کرنے کی سنجیدہ کوشش شروع کی جائے، کیوں کہ نہ صرف آں حضور پر ایمان وعقیدہ نہ رکھنے والے اس ملک کے بیشتر افراد ہندی زبان لکھتے بولتے اور پڑھتے ہیں بلکہ محمد کے نام لیوا بھی ہندی زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر علماء اور فضلا کے اس باوقار پلیٹ فارم سے اسلامی مہمات سے وابستہ کارکنان و اداروں سے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ سیرت نبوی کے عنوان پر مختلف اکیڈمیاں اور تحقیق و

ترجمہ کے ادارے قائم کئے جائیں اور محسن انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات اور پیغامات سے ہندی ادب کا دامن لبریز کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو سیرت نبوی پر چلنے اور کہنے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات:

۱۔ لسان العرب المجلد الرابع ص ۳۸۹، ۳۹۰ (مطبوعہ بیروت، لبنان)۔
۲۔ المعجم الاعظم الجزء الثالث ص: ۱۴۸۷ مصباح اللغات ص: ۳۸۷۔
۳۔ جامع اللغات جلد سوم ص: ۴۵۴۔
۴۔ اردو انسائیکلو پیڈیا ص: ۹۴۴ (مطبوعہ پنجاب)۔
۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب جلد دوم ص: ۵۰۵۔
۶۔ سیرت نبوی کی ابتائی کتابیں اور ان کے مولفین جوزف ہوروش مترجم: نثار احمد فاروقی ص: ۱۱۔۱۷۔
۷۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی جلد اول: مقدمہ ص: ۸ حاشیہ۔
۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد دوم ص: ۶۰۵۔۶۰۵۔
۹۔ ڈاکٹر سید عبداللہ: فن سیرت نگاری پر ایک نظر، (فکر و نظر اپریل ۱۹۷۶ ص: ۸۲۶)۔
۱۰۔ محمد فواد عبدالباقی: المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ص: ۳۷۴ (مطبوعہ بیروت لبنان)۔
۱۱۔ المعجم المفہرس، لالفاظ الحدیث النبوی اے ونسنک ص: ۴۷۔
۱۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد اول: ص: ۱۲۸۔
۱۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد اول: ص: ۷۵۔
۱۴۔ عنایت اللہ سبحانی: جیون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص: ۱۸۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔
۱۵۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: وشونیتا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص: ۳، ۴۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔
۱۶۔ شری ناتھو رام: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آدرش: ۴۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔
۱۷۔ وویکانند ساہتیہ جلد 5 ص: 415۔
۱۸۔ وویکانند ساہتیہ جلد 8 ص: 330۔
۱۹۔ بھارتیہ سبھیتا پر مسلمانوں کے اُپکار صفحہ: 31 بحوالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ص: 129۔
۲۰۔ (جگت مہارشی ص: 2 بحوالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ص: 130۔
۲۱۔ عرب کا چاند۔ سوامی لکشمن پرساد بحوالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ص: 131۔
۲۲۔ اے مسلم بھائی، ص: 252 تا 258 لالہ کاشی رام چاوُلا بحوالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ص: 132۔
۲۳۔ ڈاکٹر محمد احمد: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ص: 135، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک شخص سرزمین عرب میں عدنان نامی گزرا ہے، جس کی اولاد عدنان کہلاتی ہے، عدنان کے دولڑکے تھے عبک اور معد آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، معد بن عدنان کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں تک میرا شجرۂ نسب بالکل درست ہے، اس کے علاوہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں وہ نا قابل اعتبار ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

یہ نور نسلاً بعد نسلٍ امانت الٰہی کے طور پر معد بن عدنان تک منتقل ہوا، ان کے زمانے میں بابل اور نینوا کے علاقے میں جس بادشاہ کی حکمرانی تھی وہ نہایت ظالم و جابر تھا، جسے بخت نصر کے نام سے جانا جاتا ہے، اس نے سب سے پہلے شام پر حملہ آور ہو کر اس کی سلطنت کو تاخت و تاراج کیا، ۸۵ ق م میں یہودی کے تمام شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کیا کہ ان کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ کھڑی نہ رہی، ملک گیری کی ہوس بڑھتی رہی یہاں تک کہ عرب پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا، اس زمانے میں معد بن عدنان عرب کے سردار تھے، بخت نصر کے حملہ آور ہونے سے پہلے اللہ رب العزت نے حضرت حزقیل اور برخیا علیہما السلام کو باقاعدہ معد بن عدنان کی حفاظت کے لیے بھیجا، چوں کہ ان کی جبیں میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی آمد مبارکہ کا ذکر صدیوں قبل جاری تھا، اس کا باضابطہ ظہور اس وقت ہوا جب سرزمین مکہ پر بسنے والی قوم انسانیت سے عاری ہو رہی تھی، مظالم سوزی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، معصوم بچیوں کو زندہ در گور کرنا، عورتوں کو 'ستی' پر مجبور کرنا، باتوں بات میں برسرپیکار ہو جانا، دوسروں کے اموال کو غصب کرنا، ان کے لیے عام بات تھی، ان اخلاقی و معاشرتی مفاسد کے سدباب کے لیے اور انسانیت کا صحیح درس دینے کے لیے حق جلّ مجدہ نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا: خود نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **إنما بعثت معلما** (۱)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''**بعثت لأتمم حسن الأخلاق**'' (۲)

آپ ﷺ نے اخلاقیات و معاشرت کی ایسی تعلیم دی کہ ایک صحرانشین بدوی کو شہنشاہیت کے مقام پر پہنچا دیا، بھیڑیوں، بکریوں کے چرانے والے جس کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اللہ نے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے قابل ذکر نمونہ بنا دیا۔ **ذلک فضل اللّٰہِ یُؤتیه مَن یَّشاء**. (الجمعہ:4)

دعوت اسلام کا مکی دور

غار حرا میں جب آپ وحی الٰہی ''اِقْرأ باسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ'' (العلق:1) سے شرف یاب ہوئے تو سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دعوت دی اور یہی سب سے پہلی ہستی قرار پائیں، یہ دعوت خفیہ، دھیمی دھیمی رفتار سے چلتی رہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے ساتھی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما نے ایمان قبول کیا، آپ پر قریب ترین لوگوں کا ایمان لانا ہی آپ کے اخلاص اور آپ کی صداقت کا بجا ثبوت ہے، آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں کار دعوت کو

۱۔ ابن ماجہ

۲۔ موطا: باب حسن الخلق

آگے بڑھاتے رہے، حتی کہ ایک متعد بہ تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوگئی، تو آپ ﷺ ساری ہمت و عزیمت سمیٹ کر نئے مرحلہ اور متوقع حالات کے لیے خود کو تیار کر کے ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تنبیہ کر دیں'' (الشعراء:۲۱۴) کے نفاذ کے لیے کوہ صفا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور قریش عرب کو ''**انا النذیر العریان**'' کے ذریعہ مخاطب فرما کر یہ کہتے ہیں:

''اللہ پر ایمان لاؤ، ورنہ تم پر سخت عذاب آئے گا''

ان مختصر الفاظ کے ساتھ آپ نے برسرعام دعوت اسلام کا آغاز فرمایا، جسے سن کر آپ کے چچا ابولہب نے فرمایا: ''**تبالک**'' تیرا غارت ہو، کیا یہی بات تھی، جس کے لیے تو نے ہم سبھوں کو یہاں جمع کیا، ان کے ساتھ دیگر سامعین بھی خفا ہو کر چلے آئے، پھر دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ تمام خاندان عبدالمطلب کو دعوت طعام دی، جس میں حضرت حمزہؓ، ابوطالب اور حضرت عباسؓ جیسی سرکردہ ہستیوں کو کھانے سے فراغت کے بعد اپنی مختصر تقریر میں فرمایا: ''میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں وہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے، کون اس میں میرا ساتھ دے گا؟'' تھوڑی دیر مجلس پہ سکوت طاری رہا، پھر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی مساعدت کے لیے اعلان فرمایا، جو آگے چل کر اساطین دعوت میں شمار ہوئے۔

اس کے بعد مخالفتوں کا نہ تھمنے والا سیلاب امنڈ آیا، معاندین اسلام کی طرف سے دعوت دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جانے لگیں، بھونڈے بھونڈے پروپیگنڈے رچے جانے لگے اور آپ کو ساحر، مجنون، کاہن اور نہ جانے کس کس قسم کے خطاب ملے لیکن قدرت نے ہر ایک کا جواب دیا۔

ہجرت حبشہ

جب مکہ میں کفار کے ظلم و ستم حد برداشت سے گذر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۸۰/افراد پر مشتمل جماعت کو حبشہ

ہجرت کی اجازت دے دی، جب یہ لوگ نجاشی کے دربار میں پناہ گزیں ہوئے، تو کفار نے ان کا تعاقب کیا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، نجاشی نے وفد کے قائد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے مکالمہ کیا اور بعد میں دریافت کیا کہ جو شخص پیغام وحی لایا ہے اسکا کوئی حصہ سناؤ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورہ مَریم کی ابتدائی آیتیں پڑھیں، جسے سن کر شاہ یمن نجاشی رو پڑے اور کہا کہ یہ کلام اور کلام موسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہی چشمہ نور سے نکلے ہیں، اس واقعہ کے بعد کفار مکہ نے نجاشی پر حملہ کیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فتح عطا کی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

تاریخ اسلام کا وہ واقعہ بہت ہی یادگار ہے جو سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے سے متعلق ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ۲۷ رسال کے تھے جب کہ گلشن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بلند ہوا تھا، فاروق اعظم کے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ ابتداہی میں اسلام لے آئے تھے، ان کی دعوت سے عمرؓ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ایمان لے آئیں۔ خاندان کی ایک اور بااثر شخصیت نعیم بن عبداللہؓ نے بھی دعوت حق پر لبیک کہا، جب حضرت عمرؓ کو ان کے اسلام لانے کی خبر ملی تو بہت برہم ہوئے حتی کہ اسلام لانے والوں کے جان لینے کے درپے ہوگئے، بالآخر ایک دن تہیہ کرلیا کہ کیوں نہ اصل داعی کو ہی **(نعوذ باللّٰہ من ذلک)** راستے سے ہٹا دیا جائے۔

چنانچہ حضرعمرؓ ننگی تلوار لے کر چل پڑے راستے میں نعیم بن عبداللہؓ سے مڈبھیڑ ہوگئی انہوں نے کہا کہ عمر کیا ارادہ ہے، عمر بولے! **(العیاذ باللّٰہ)** محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کردینا چاہتا ہوں۔ نعیم بن عبداللہؓ بول پڑے پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور اپنے بہن بہنوئی سے نمٹ لو، پھر کسی اور طرف جانا، فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچتے ہی دستک دی، وہ قرآن سیکھ رہے تھے آہٹ ہوئی تو خاموش ہوگئے اور قرآن کے اوراق چھپا لیے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا پڑھا جارہا تھا، بہن نے ٹالا، کہنے لگے مجھے خبر مل چکی ہے کہ تم دونوں آبائی مذہب سے پھر چکے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی پر ٹوٹ پڑے، بہن بچ بچاؤ کے لئے آئی تو ان کو مارا، ان کا جسم لہولہان کردیا، لیکن آخر بہن بھی تو تھی فاروق اعظم کی ڈبڈباتی آنکھوں

سے صبر واستقلال اور عزیمت مندانہ لہجہ میں بولیں ''عمر! جو کچھ تم کرسکتے ہو کرلو، اب دل سے اسلام نہیں نکال سکتے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: جو تم پڑھ رہی تھی مجھے بھی لا کر دکھاؤ یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ جو مکان کے کسی گوشے میں چھپے ہوئے تھے، فوراً باہر نکل آئے بہن نے کہا: ''**انک رجس لا یمسه الا المتطهرون فقُم فتوضا** ''تو ناپاک ہے، قرآن مجید کو پاک ہی لوگ چھو سکتے ہیں، جاؤ وضو کرکے آؤ، عمرؓ اٹھے وضو یا غسل کیا اور صحیفۂ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے ''میں ہی معبود برحق ہوں میرے سواء کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کرو اور میری یاد کے کے لیے نماز قائم کرو۔'' (طٰہٰ:۱۴) بے ساختہ بول اٹھے ''**مَا أحسن هذا الكلام أكرمه**'' کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے حضرت حباب نے یہ سن کر کہا اے عمر! تم کو بشارت ہو میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ عمر نے کہا اے خباب مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو، حضرت خباب عمر کو ساتھ لے کر دارارقم کی طرف چل پڑے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ فروکش تھے، دروازہ بند تھا دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی یہ معلوم کرکے عمر اندر آنا چاہتے ہیں کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہ کرسکا، سیدالشہداء امیر حمزہؓ نے فرمایا اگر خیر کے ارادے سے آرہا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں گے، اور اگر شر کے ساتھ آرہا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے۔

نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دروازہ کھولنے کی اجازت دے دی دروازہ کھول دیا گیا۔ اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازووں پکڑ کر آپ کے سامنے لا کر کھڑا کیا، آقا ﷺ نے ان سے فرمایا چھوڑ دو اور میرا کرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ اے خطاب کے بیٹے ایمان لاؤ اور یہ دعا فرمائی ''**اللھم اهدِ، اللھم هذا عمر بن الخطاب، اللھم اعز الدين بِعُمر بن الخطاب** ''اے اللہ اس سے اپنے دین کو عزت دے، تو

سیدنا عمرؓ بے اختیار پکار اٹھے **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، اس واقعہ پر مسلمانوں نے مارے خوشی کے ایسا نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کا سارا ماحول گونج اٹھا اور دارارقم کی دیواروں کی چول ہل گئی، ان کی قوت بڑھ گئی حضرت عمرؓ کے ایمان لاتے ہی کعبۃ اللہ میں پہلی مرتبہ اعلانیہ نماز باجماعت کی ادائیگی کا سلسلہ شروع ہوا۔

ظالموں کی چیرہ دستی اور آپؐ کی صلح پسندی

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دعوت دین کی راہ میں جس قدر آپ کو اذیتیں دی گئیں، سب وشتم کیا گیا، رکاوٹیں ڈالی گئیں، مطعون ومعذوب کیا گیا، اتنا کسی نبی اور ہادی کو نہیں ستایا گیا، خود آپ کا فرمان ہے: ''**لقد اوذیت فی سبیل اللہ مالم یوذ أحد**''(۱)

ظالموں نے ظلم وستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھالیے؛ لیکن آقائے نامدار تاجدار مدینہ ﷺ نے انھیں اُف تک نہ کہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبنیٰ زید ابن حارثؓ کو ساتھ لے کر طائف پہنچتے ہیں، وہاں عمرو بن عمیر کے تین بیٹے عبدیالیل، مسعود اور حبیب سب بااثر تھے، آپ نے ان سبھوں کو اسلام کی دعوت دی اور جواب بھی طلب کیا، نہایت غیر متوقع طور پر انہوں نے آپ کا ساتھ دینے اور قریش کے بالمقابل کھڑا ہونے سے انکار کردیا اور آپ کی تعلیم کا مذاق اڑایا، اس معاملے میں تینوں بھائیوں کی رائے ایک تھی، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں مزید قیام ناپسند فرمایا اور واپسی کی راہ لی، ان ظالموں نے اپنے غلاموں اور لڑکوں کو ہدایت دی کہ اس شخص کا پیچھا کریں اور زک پہنچائیں انہوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ حضورؐ اور زید بن حارثہؓ کو پتھروں سے لہولہان کردیا، نعلین خون سے بھر گئے، راستہ میں انگوروں کا باغ نظر آیا تو حضور آرام کرنے کیلئے اس میں داخل ہوگئے اور بیلوں کی چھاؤں میں آرام فرمانے لگے، یہ باغ مکہ کے سردار عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ اتفاق سے

۱۔ ترمذی: کتاب القیامہ

وہ دونوں اس میں موجود تھے، ان کی نظر آپ پر پڑی تو خاندانی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے ایک طشتری میں آپ کو انگور بھجوائے، ان کا نصرانی غلام عداس نے یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر انگور کھانا شروع کیا تو غلام چونکا کہنے لگا کہ اس دیار کے لوگ تو کھاتے وقت یہ کلمات ادا نہیں کرتے۔ حضورؐ کو عداس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کا تعارف چاہا اس نے بتایا کہ میں نینوا کا نصرانی ہوں، آپ نے فرمایا تمہارا علاقہ تو ایک صالح شخص یونس بن متی علیہ السلام کا ہے وہ نبی تھے، میں بھی نبی ہوں، لہذا وہ میرے بھائی ہیں یہ سن کر عداس نے حضورؐ کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا۔(۱)

دشمنوں نے بارہا ایسی حرکتیں کیں جو نہایت دل آزار، بڑی توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھیں مگر ان موقعوں پر تحمل و برداشت، عالی ظرف اور کوہ ثباتی کا وہ بلند و بالا ثبوت دیا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر لرزہ براندام کافروں کے خوف اور اعترافِ تقصیرات کے جواب میں **لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء** اپنی مثال آپ ہے اور یہ سب اسی لیے کہ آپ معلم اخلاق تھے۔ اسی کو الطاف حسین حالی نے کیا اچھے انداز میں بیان کیا ہے:

خطا کار سے در گزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

لیکن تاریخ کی ستم ظریفی کہیے یا اعداء اسلام کی سازشوں کی کامیابی کہ آج ایسے شخص کی سیرت وتعلیمات کو دہشت گردی اور ظلم وزیادتی پر مبنی ٹھہرایا جارہا ہے اور آپ کے ماننے والوں کو خوں خوار اور بے رحم انسان دکھلانے کی ہمہ گیر کوششیں ہر سطح پہ جاری ہیں، حالانکہ کہ اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ آشکارہ ہوجائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا رحمت ہیں جن میں ہر ایک کو ان کا جائزہ حق وصول ہوتا ہے اور یہی مساوات اسلام کی امتیازی شان ہے۔

۱۔ حیات رسول امیؐ:۲۲۴

حضور کریم کی یثرب روانگی

دعوتِ حق کا پودا مکہ کی سرزمین میں اگا لیکن اس کے پھلوں سے دامن بھرنا مکہ والوں کے نصیب میں نہ تھا پھل مدینہ والوں کے حصے میں آیا، اہل مکہ کی چیرہ دستی سے پریشان ہوکر آپ نے ہجرت مدینہ کا فیصلہ لیا پہلے آپ قبا پہنچے "قبا" یثرب سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک آبادی تھی وہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ آپ کا قیام کلثوم بن ہدم کے یہاں تھا جو وہاں کے ممتاز خاندان عمرو بن عوف کا سردار تھا، قبا میں آمد کے بعد سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا وہ مسجد قبا کی تعمیر تھی تاریخ اسلام میں سب سے پہلے یہی مسجد تعمیر ہوئی جو ۸/تا ۱۱/ربیع الاول ۱ھ ۲۳/۲۰/دسمبر ۶۲۲ء کے درمیان تعمیر ہوئی سورۃ توبہ کی آیت: ۱۰۸ میں اس کا ذکر ہے:

"لَمَسْجِد اُسِّسَ عَلَى التَّقْوىٰ مِنْ اَوَّلِ يَومٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فيه فيه رِجَال يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ". (التوبہ:108)

چودہ دن بعد آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے لوگوں کو جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لیے دوڑ پڑے، قبا سے مدینہ تک جاں نثاروں کی صفیں تھیں، راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر یہ عرض کرتا حضور یہ گھر ہے یہ مال ہے یہ جان ہے آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعاء خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ لڑکیاں چھتوں پر نکل آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر یہ اشعار پڑھنے لگیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعِ

(وہ مثل ماہ کامل ہم میں آئے، ثنیات الوداع کے راستے سے، اب ان کا شکر واجب ہم پہ ٹھرے، کہ داعی حق کی دعوت دینے آئے)

معصوم لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں:

نحن جوار من بني النجار يا حبذا محمداً من جار

(ہم بنی نجار کے پڑوسی ہیں، اے کاش محمد ہمارے پڑوسی ہوجاتے)

جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جب آپ یہاں پہنچے تو سخت کش مکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو بالآخر یہ شرف حضرت ابوایوب انصاریؓ کو حاصل ہوا اور آپ کی سواری القصواء ایسی جگہ بیٹھی جو دو یتیموں سہل و سعدؓ کی ملکیت تھی آپ نے اس زمین کو قیمتاً خریدا اور مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی حجرہ ازواج مطہرات بھی تعمیر ہوئے، تعمیر کی سرگرمی میں سبھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہر ایک آواز ملا کر پڑھتے تھے۔

اللهم لا خير إلا خير الآخره
فاغفر الأنصار والمهاجره

یہ مسجد ہر تکلفات سے بری اسلام کی سادگی کی تصویر تھی یعنی کچھ اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتی کا چھپر اور کھجور کے ستون تھے، مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقّت چبوترہ آپ نے "صفہ" کے نام سے بنوایا یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لائے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے ان کے لئے مستقل یہ جائے پناہ ہوتی آپ یہاں درس دیتے اور تمام حاضرین بغور سماعت فرماتے۔ مروجہ مدارس کا سلسلۃ الذہب اسی دارالعلم سے جا کر ملتا ہے۔

ہجرت مدینہ

جب نبوت کا تیراہواں سال شروع ہوا تو ارشاد ربانی کے مطابق آپ نے مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کا حکم فرمایا، جب قریش نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ جا کر طاقتور ہوتے جارہے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جارہا ہے تو انہیں بڑی تشویش ہوئی اور دارالندوہ میں مشورہ کیا جس میں ہر قبیلہ کے رؤساء شریک تھے قسم قسم کے مشورے سامنے آئے۔ بالآخر ابوجہل کے مشورے کو قبول کیا گیا جس نے یہ مشورہ دیا کہ ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو

اور پورا مجمع مل کر ایک ساتھ تلواروں سے العیاذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کردیں۔اس صورت میں ان کا خون تمام قبیلہ میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم کے لئے تمام قبائل سے نبرد آزما ہونا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا، پھر کیا ہوا فوراً آستانۂ رسول کا محاصرہ کرلیا گیا اور حضورؐ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

آپ کو قریش کے اس ناپاک ارادے کی اطلاع بذریعہ وحی مل گئی تھی اس لئے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا مجھ کو ہجرت کا حکم مل چکا ہے میں آج یثرت روانہ ہوجاؤں گا میرے ذمہ لوگوں کی جو بھی امانتیں ہیں وہ واپس کردینا، یہ کہہ کر آپ حضرت ابوبکر صدیق کی معیت میں جانب یثرب چل پڑے اس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات جاری ہوتے ہیں ''اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور کتنا محبوب ہے اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا''

مذکورہ کلمات کہتے ہوئے یثرب کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں، دشمن کا تعاقب ہوتا ہے خبر پاکر آپ حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ غار ثور میں چھپ جاتے ہیں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالآخر غار تک ان کی رسائی ہوجاتی ہے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبراجاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: ''لاتحزن إن اللّٰه معنا''۔(التوبہ:40)

مشہور ہے کہ جب غار ثور کے قریب آپہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دفعۃً ببول کا درخت اگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر غار کو ڈھانپ لیا ساتھ ہی دو کبوتری آئی اور انڈے سینے لگی، مکڑی نے جالا تان دیا، سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہ تمام دن کفار کے ساتھ رہتے، شام کے وقت بکریاں چرانے کے لیے وہیں لے آتے اور کفار کی تلاش و مشورہ کی خبر رسانی کرتے رہتے، چوتھے دن آپ غار سے نکلے اور عبداللہ بن اریقط اللیثی جو کافر تھا؛ لیکن راستوں سے خوب واقف تھا، اجرت پر مقرر کرلیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک دن و رات برابر گزر گئے، دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ کی شدت عروج کو پہنچ گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آرام کی خواہش ظاہر کی، چہار سو نظر ڈالنے پر

ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھادی، جس پر آپ ﷺ آرام فرمانے لگے، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو حاضر خدمت کروں، پاس ہی میں ایک چرواہا بکریاں چرارہا تھا، اس سے آپ نے کہا کہ ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کردو، پھر اس کا دودھ دوہا اور لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، آفتاب اب ڈھل چکا تھا، آپ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

قریش نے اعلان کررکھا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ان کے رفیق غار ابوبکر صدیقؓ کو گرفتار کرکے لائے گا اسے سو اونٹ بقول بعض ستر اونٹ انعام میں دیا جائے گا، سراقہ بن جعشم انعام پانے کے لیے تعاقب میں نکلا، اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا تو آپ نے دعا کی اور اس کے گھوڑے کا اگلا پاؤں زمین میں دھنس گیا اور وہ اپنے ناپاک عزم کی تکمیل سے قاصر رہا۔

آپ یثرب پہنچ کر باضابطہ اشاعت اسلام کا سلسلہ سرگرمی سے جاری فرماتے ہیں، انصار مدینہ کو مہاجرین سے الفت ومحبت کے لیے مواخات پر ابھارتے ہیں؛ تاکہ ان مہاجرین کو جنھوں نے بے سروسامانی کے عالم میں آپ کی آواز پر لبیک کہہ کر یثرب کا رخ کیا ہے، انھیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو، پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قدموں کو مضبوطی عطا کی اور آپ اس قابل ہوگئے کہ اشاعت اسلام کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں سے نمٹ سکیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کریں۔

آپ کے انقلابی پیغام کو عام کرنے والے جانشیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدنی دور میں کفار ومشرکین کے ساتھ غزوات کے ذریعہ اپنے اصحاب کو انقلابی ذہن عطا کیا اور ان کی مکمل تربیت وراہنمائی کی۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے عظیم دعوتی منصوبوں کو وسعت دینے کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

زریں خدمات انجام دیں اور جس شان سے حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی اور دیگر قائدین صحابہ کرامؓ نے اپنا بھرپور تعاون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشیں کو بہم پہنچایا اس کی مثالیں تاریخ میں نایاب ہیں۔ محسن انسانیت کے تیار کردہ افراد نے اپنی جفاکشی سے یہ ثابت کردکھایا کہ وہ بہترین نمونۂ انسانیت ہیں، وہ بے لوث کردار سے مزین ہیں، ذہانت وفطانت میں اپنی مثال آپ ہیں سخت ترین حالات میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہونے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت اور اس کی قیادت نے چند ہی برسوں میں اسلام کی شعاؤں کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچادیا اور اسلامی نظام عدل کا سایۂ رحمت جس رفتار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کرۂ ارضی پر پھیلایا تھا اس میں قطعاً کوئی فرق نہ آنے دیا۔ ہمارا وجود انہیں کی جانفشانیوں کا ثمرہ ہے۔ آج اگر سچائی اور نیکی کی کچھ رمق موجود ہیں تو انہیں کی مرہون منت ہے، اخلاق کی لازوال قدریں اور زندگی کی کامیابی وکامرانی کے اٹل اصول ہاتھ آسکتے ہیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہی سے ہاتھ آسکتے ہیں۔

سیرت طیبہ آج بھی کامیابی کی ضامن

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات کو عملاً اپنایا اس وقت تک وہ دنیا کے امام ورہبر رہے اور اس شان و شوکت سے ان کی قیادت کی کہ تاریخ اسے بھلا نہیں سکتی، آج اگر وہ ان عظمتوں اور رفعتوں سے محروم ہیں تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اسوۂ نبوی ﷺ سے منہ موڑلیا ہے اور اپنے آپ کو بربادی کے دہانے پر ڈال دیا ہے آج ان کا دعویٰ محبت رسول صرف قرطاس وقلم میں سمٹ کر رہ گیا ہے، ان کی مجالس اور ان کی تحریریں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آباد ہیں؛ لیکن ان کا دل سیرت طیبہ کو عملاً اپنانے سے بے زار و ویران ہے، پھر کیسے انہیں کامیابی مل سکتی ہے۔ صالح معاشرہ کی تشکیل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

کردار وہ مثالی کردار رہا ہے جسے غیروں نے بھی مانا ہے اور یہی آپ کا امتیاز ہے، آپ نے صدق ووفا، جودوسخا کی وہ فضا قائم کی جس سے سبھی اقوام متاثر ہوئے، آج ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی ومعاشرتی تعلیمات سے کوسوں دور ہوچکے ہیں، ہمارے دلوں میں ایمان وایقان کی وہ چنگاری باقی نہ رہی جو شعلۂ جوالہ بن کر ایوان باطل کو خاکستر کرسکے، ہم ان اوصاف سے متصف نہیں جن سے صحابہ کرام متصف تھے، نتیجۃً آج ہم چہار جانب سے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں، سازشوں کا جال وسیع پیمانے پر پھیلا جارہا ہے اور انتھک کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے تخم ایمان کو نکال دیا جائے۔ لیکن ہم مسلمان آج بھی دنیا کی رنگینیوں اور ظاہری چمک دمک سے اس طرح مسحور ہوگئے ہیں کہ فرمان نبی ''**الدنیا خضر حلو**'' ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ہے، ہر سو دشمنوں کی یلغار ہے اور ہم میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں، بزدلی ہمارے دلوں میں گھر کرگئی ہے۔ لیکن یقین مانیئے قوموں کی تاریخ ہی عروج وزوال سے مرکب ہے، مصائب کا آنا کوئی نئی بات نہیں ان سے نبردآزما ہونا اسلامی شناخت کو باقی رکھنا اصل سرمایۂ حیات ہے اگر آج بھی ہم خود کو اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند بنالیں تو انشاء اللہ ضرور عظمت رفتہ کی بازیابی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ''**وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ**''۔ (آل عمران:139)

پھر ہو فاراں کی چوٹی سے صدا کوئی بلند
پھر سے آوازِ محمدؐ کو ابھارا دیدے

تحفظ دین وشریعت کے چند ستون

1972 میں تحفظ دین وشریعت کی خاطر اسلامیان ہند کا ایسا مضبوط و مستحکم اور پر جوش اتحاد منظر عام پر آیا جسے شاید ہی چشم فلک نے دیکھا ہو۔ملت اسلامیہ کوکلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک دھاگے میں پرونے کے لئے جن عالی مرتبت شخصیات نے راتوں کی نیند حرام کیں اور دن کا چین وسکون تیاگ دیا وہ ہمارے لئے آج بھی چراغ راہ ہیں۔ذیل میں چند نگہبان دین وشریعت کا تعارفی خاکہ پیش کیا جارہا ہے (جنہوں نے ملت کو مجتمع ومتحد کرنے کیلئے مسلم پرسنل لا بورڈ جیسی نمائندہ تنظیم قائم کی) تا کہ ان کے نقوش کار، بے نفسی اور کمال درجہ کی دردمندی سے استفادہ کیا جاسکے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(1972.................1983)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو قائم کرنے اور اسے ہمہ گیری عطا کرنے میں جن دو مرکزی کرداروں نے نمایاں رول ادا کیا تھا ان میں سے ایک تھے بہار اڑیسہ کے امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی اور دوسرے سید العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسی عظیم تحریک کو پوری قوت کے ساتھ برپا کرنے کے لئے اس وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسی بابرکت، باعلم اور فکر ونظر رکھنے والی موزوں ترین کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں تھی۔حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے رفیق کار مولانا سید منت اللہ رحمانی کے مشورہ وتعاون سے 1972 کے وسط میں ایک

اجلاس دیو بند میں منعقد کیا جس میں دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے ارکین، ملک کے ممتاز علماء اور ماہرین قانون ودانشوروں نے شرکت کی۔اس اجلاس میں اہل فکر ونظر کو حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے شریعت اسلامی پر خطرات کے منڈلاتے بادل، اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں اور حکومت کے منفی رویوں سے آگاہ کیا اور تاثیر میں ڈوبی ہوئی اپنی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے حالات میں جب کہ قوانین اسلام اور ہماری شریعت پر شب خون مارنے کی تمام سازشوں سے ہم مطلع ہو چکے ہوں، کیا ہم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ہم مکاتب فکر اور مسالک کی تمام دیواروں کو منہدم کردیں اور شریعت کے ہر ہر جز کی حفاظت کے لئے ایک ہوجائیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیبؒ کی اضطراری کیفیت اور دردوغم میں ڈوبی ہوئی گفتگو کا ایسا اثر ہوا کہ اسی مجلس میں یہ طے پاگیا کہ ایک وفد ممبئی جائے اور ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' کی تیاری کی فضا ہموار کرے۔اور یہیں سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا عملی طور پر آغاز ہوگیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تحریک کی اس ابتدائی مہم میں سابق گورنر بہار مسٹر یونس سلیم، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی، ڈاکٹر طاہر محمود وغیرہ شریک تھے۔حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کی سرکردگی میں مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی پر مشتمل ایک وفد ممبئی کے لئے روانہ ہوا اور شب وروز کی محنت وجدوجہد کے بعد بالآخر 28-27 دسمبر 1972 کا وہ تاریخ ساز دن بھی آیا جب ملت اسلامیہ کے پانچ لاکھ سے بھی زائد بزرگوں، جوانوں اور ہر مکتب فکر کے قائدین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ممبئی کنونشن میں موجود تھا۔اس کنونشن کی غیر معمولی کامیابی اور اتحاد و یکجہتی کے عظیم الشان مظاہرے کے نتیجے میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔اور حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اس کے بانی صدر منتخب ہوئے۔

حضرت ممدوحؒ کی ذات گرامی ہی تھی کہ جن کی بھاری بھرکم شخصیت نے مختلف الخیال قائدین اور عوام کو ایک دھاگے میں پروکر مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک عظیم قوت میں

تبدیل کر دیا اور بورڈ کو مرکزی اتحاد کا ایسا نمونہ بنایا جو آج بھی اپنی افادیت و تاثیر کے اعتبار سے ثمر آور ہے۔ آپ تاحیات بورڈ کی صدارت فرماتے رہے۔

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ

(1972.................. 1991)

دین وشریعت کے نگہبان اور قافلہ سخت جاں کے میر کارواں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی قوانین شرعی کی حفاظت اور اس کے عملی نفاذ کے لئے جس قدر بے چین ومضطرب تھے اس کا صحیح اندازہ تو ان کے رفقاء اور وہ لوگ ہی لگا سکتے ہیں جنہوں نے ان کی صبح وشام، ان کا گفتار وکردار اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت قریب سے دیکھا ہو۔ بلاشبہ بیسویں صدی میں اس جیسا علم وعمل کا پیکر اور عزم وہمت کا کوہ گراں پیدا نہیں ہوا اور سچی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تعلق سے جو شعور فکر اور بیداری ہندوستان میں آئی وہ موصوف کی ہی رہین منت ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علمی، تحقیقی، تربیتی، تصنیفی، اصلاحی، تبلیغی، تحریکی کاموں میں علماء بہار کا اہم حصہ رہا ہے، امام منطق وفلسفہ صاحب سلم العلوم حضرت علامہ محبّ اللہ بہاریؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، صاحب عون المعبود شیخ شمس الحق عظیم آبادیؒ، اسلامی معاشرے کے تشکیل کے نقیب اور بانی امارت شرعیہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور مجاہد آزادی حضرت سید شاہ محمد علی مونگیریؒ بانی ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کا کردار ہمارے دل ودماغ کو جھنجھوڑ تا رہا ہے۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے نقوش جمیل سے ایک جہان مستفید ہوا ہے، ادیب شہیر علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی علمی، تحقیقی وتصنیفی کارناموں کو کسی طرح نہیں بھلایا جاسکتا۔ اسی طرح لاتعداد علمائے دینِ متین اس سرزمین میں پیدا ہوئے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، انہی شخصیات

میں سے حضرت اقدس مولانا بشارت کریم صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ، مولانا ولایت علیؒ اور مولانا یحییٰ علی عظیم آبادیؒ، شاہ ولی اللہ تحریک کے علم بردار بن کر سامنے آئے اور سب سے اخیر میں علم وادب اور فقہ وشریعت کے رمز شناس حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ شاہ ولی اللہ تحریک کے میر کارواں کی حیثیت سے عالم اسلام میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ایسے ہی علماء ومفکرین نے علم وتحقیق کی بزم میں چار چاند لگایا اور دعوت وتبلیغ واصلاح امت کو اپنا فریضہ جان کر زبردست محنت کی۔ صوبہ بہار کی دو عظیم شخصیتوں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اس خطہ میں کبھی دینی مزاج وماحول کے لیے سرگرداں رہے تو کبھی رسوم وبدعات کے خاتمہ کے لیے گاؤں گاؤں کی خاک چھانتے رہے اور کبھی قادیانیت سمیت دیگر فرقۂ باطلہ کی سرکوبی کے لیے شب وروز ایک کرتے رہے۔ ان بزرگوں نے اصلاح معاشرہ اور فرقۂ باطلہ کی سرکوبی کے لیے مدارس ومکاتب کے قیام کی تحریک شروع کی، ان بزرگوں نے اصلاح معاشرہ اور فرقہ باطلہ کی سرکوبی کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے اندر ملی حمیت اور قوانین اسلامی کے نفاذ کی لو مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے جلائی تھی جسے سخت سے سخت حالات اور تیز وتند آندھی میں بھی وہ روشن رکھنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام دشمن عناصر حکومت کے ذریعہ قوانین اسلامی پر شب خون مارنا چاہتے ہیں تو وہ برداشت نہ کرسکے اور اپنی بے چینی کا اظہار اس وقت کے طبقۂ علماء کے سرخیل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے کیا۔ پھر کیا تھا دونوں ہی بزرگوں نے اپنی فراست ایمانی، ملی غیرت اور عزم وہمت وخود اعتمادی کے ساتھ ایک ایسی فضا تیار کی کہ دسمبر 1972 میں ممبئی میں ایک ایسا تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ہزار سے زائد علماء وقائدین اور پانچ لاکھ سے زائد سامعین کا ایک ایسا اجتماع جہاں نہ کوئی دیوبندی تھا نہ کوئی بریلوی، نہ کوئی شیعہ تھا نہ سنی، بلکہ کلمہ واحد کی بنیاد پر سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر جوش ایمانی کا بھرپور مظاہرہ

کررہے تھے۔اس بے مثال اتحاد کا سہرا حضرت امیر شریعت کے سر جاتا ہے۔جن کی وسعت ذہنی اور شب وروز کی جدوجہد سے ہی ایسا منظر سامنے آیا تھا۔اس اجلاس کے نتیجے میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا قیام عمل میں آیا۔اور مولانا منت اللہ رحمانی اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے لے کر ملک کے ہر گوشے میں اس کا تعارف تک ہر جگہ مولانا رحمانی نمایاں نظر آتے ہیں۔کشمیر سے کنیا کماری تک اور گجرات سے بنگال اور آسام تک بورڈ کی مہمات اور تحریک جو بے مثال کامیابی ملی اس کے پیچھے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی پرکشش شخصیت اور جہد مسلسل کارفرما تھی۔ ممبئی، حیدرآباد، رانچی، پٹنہ، کلکتہ اور ملک کے بیشتر حصوں میں منعقد ہونے والے بے شمار بڑے بڑے اجتماعات میں شرکت کرنے والے مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے کبھی بورڈ کی طرح پرتاثیر وپرہجوم اجلاس نہیں دیکھے۔''

''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا قیام بہار واڑیسہ کے چوتھے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا عظیم کارنامہ ہے۔انہوں نے بورڈ کو پوری ملت کی نمائندہ جماعت اور اس کو ایک عظیم قوت میں تبدیل کرنے میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔اس کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو ملت کے تمام طبقوں اور صاحب اقتدار کے گلیاروں میں جو وقار واعتماد حاصل ہے وہ انہیں کا طفیل ہے۔انہوں نے بیش قیمت لٹریچرس خود تحریر فرمائے اور کچھ دوسروں سے لکھوائے اور انہیں مختلف زبانوں میں شائع کرواکر مسلمانوں کو اپنے عائلی قوانین کے تحفظ کے سلسلہ میں شعور وفکر اور علم آگہی سے نوازا اور شریعت پر کسی بھی جانب سے ہونیوالے حملوں کا دنداں شکن جواب دینے میں ذرا بھی تساہل سے کام نہیں لیا۔

حضرت ممدوحؒ کا ایک اہم علمی وشرعی کارنامہ ''قوانین اسلامی کی تدوین'' ہے جو انہوں نے ممتاز علماء اور فقہاء اور ماہرین قانون کے ذریعہ مرتب کرائی ہے۔اور ان کی زندگی میں ہی یہ کتاب مکمل ہوگئی تھی۔یہ کتاب دارالقضاء اور ملکی عدالتوں میں مستند ماخذ اور حوالہ کا کام دے گی جس میں عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین کی گئی ہے۔یہ کتاب ان کتابوں

سے بے نیاز کردے گی جو انگریزوں نے مسلم ماہرین سے لکھوائی تھی اور وہی کتابیں آج ملکی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں معاون ومددگار ہیں۔حضرت موصوف کی نگرانی میں تیار شدہ یہ دستاویزی کتاب جلد ہی نظر ثانی اور ضروری اضافوں کے ساتھ شائع ہونے جارہی ہے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے ہندوستانی مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ایک ایسا مرکز عطا کیا ہے جو داخلی اور خارجی طور پر انہیں نہ صرف مستحکم کرتا ہے بلکہ ایک زندہ قوم کی طرح جینے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے نشان راہ پر چلنے کی توفیق دے۔آمین۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(1983.................1999)

ملت اسلامیہ کا متحدہ ومشترکہ پلیٹ فارم اور تحفظ دین وشریعت کا بے نظیر کارواں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' طبقہ علماء کے سرخیل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں محو سفر تھا کہ اچانک 17/جولائی 1983 کو بورڈ کے صدر حضرت قاری محمد طیب صاحب کا انتقال کا حادثہ جانکاہ پیش آیا۔یہ حادثہ جہاں اسلامیان ہند کے لئے ایک المیہ تھا وہیں مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے لئے کسی امتحان وآزمائش سے کم نہ تھا۔مولانا رحمانیؒ نے 28/دسمبر 1983 کو بورڈ کا سالانہ اجلاس مدراس میں بلایا اور منجدھار میں جانب منزل رواں دواں ملت کی اس کشتی کے کھیون ہار اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جانشیں کی حیثیت سے مولانا رحمانیؒ کی ہی تحریک پر مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کو منتخب کرلیا گیا۔یوں تو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بورڈ کے بانی رکن تھے مگر منصب صدارت پر فائز ہونے کے بعد بورڈ کو جو عالم گیر شہرت، سواد اعظم کی سمع وطاعت

اورمختلف میدان ہائے کار میں زبردست کامیابی ملی اس میں موصوف کے علم تفقہ،شعوروفکر اورداعیانہ کردار کا بہت بڑا دخل تھا۔مولانا فراست ایمانی، دوراندیشی اورحکمت وتدبر کے ساتھ وقت کے نازک سے نازک مسائل کوحل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا عہد صدارت 1983ء سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد ان کی ایماء پر کلکتہ، دہلی، جے پور، احمد آباد، میرٹھ، پٹنہ اور ممبئی میں بورڈ کے عظیم الشان وتاریخ ساز اجلاس منعقد ہوئے جو بورڈ کے تعارف اور ملت کے دیگر مسائل کو حل کرنے میں بے حد مدومعاون ثابت ہوئے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سامنے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا معاملہ آیا، شاہ بانو کیس کے ذریعہ شریعت میں ترمیم کرنے کی کوشش کی گئی اور شیلانیاس سے لے کر بابری مسجد کے انہدام تک کا حادثہ جانکاہ بھی پیش آیا اور وندے ماترم کا شوشہ بھی کھڑا کیا گیا، ہر مسئلہ پر حضرت مولانا علی میاں ندوی نے شریعت محمدی اور تشخص اسلامی کے تحفظ کوملحوظ رکھا اور اغیار وفرقہ پرست قوتوں کودوٹوک انداز میں دندان شکن جواب دیا اوراپنے موقف کونہایت مضبوط ومدلل انداز میں پیش فرمایا۔

اپریل 1985 میں سپریم کورٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ (125) کا سہارا لے کرشاہ بانومقدمہ میں مسلم مطلقہ خاتون کوزندگی بھریا تا نکاح ثانی شوہر پر نان نفقہ لازم قرار دینے کا غیرشرعی فیصلہ دے دیا جوشریعت اسلامی پر براہ راست حملہ تھا۔حضرت موصوف اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ چونک پڑے بلکہ لرز گئے اور انتہائی سخت حالات میں صدائے احتجاج بلند کیا۔ 2/فروری 1986 کو وزیر اعظم راجیو گاندھی اور دیگر سیاسی وقانونی حضرات سے ملاقاتیں کیں۔اس مسئلہ پر ایک طرف غیر مسلم تنظیمیں اور نام نہاد حقوق نسواں کی علمبردار جماعتیں بورڈ کے آمنے سامنے تھیں تو دوسری طرف کچھ روشن خیال ونام نہاد مسلم دانشوروں سے بھی بورڈ کا سابقہ تھا۔حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی قیادت میں بورڈ نے ملک گیر ایجی ٹیشن شروع کردیا۔

ملک کے چپہ چپہ میں اس تحریک نے انقلاب برپا کردیا جس کے نتیجے میں ہزار مخالفتوں کے باوجود پارلیمنٹ کو ”قانون حقوق مسلم مطلقہ 1986“ پاس کرنا پڑا۔مسلم پرسنل لا بورڈ کی اس زبردست کامیابی کے پیچھے دراصل حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی جرأت مندانہ قیادت اورصبر آزما جدوجہد کارفرما تھی۔

مفکراسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سترہ سال تک مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت وصدارت کی ذمہ داریاں احسن طریقے پر انجام دیتے رہے، بلاشبہ ان کا دور صدارت مسلمانان ہند کے لئے نہایت مبارک ومسعود اور منظم ومتحد دور سے گزرا ہے، حضرت مولانا نے مرکز اتحاد کی حیثیت سے مسلم پرسنل لا بورڈ کو نئے افق اور نئی وسعتیں عطا کی ہیں اوران کی وجہ سے بورڈ کووقار واعتماد حاصل ہوا ہے۔

صد افسوس کہ علم وفضل کا یہ روشن چراغ 31/دسمبر 1999 کو ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔

مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(2000.................2002)

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ان معدودے چندلوگوں میں سے تھے جنہوں نے ”آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ“ کے قیام کی ابتدائی مہم سے لے کر آج تک اپنی علمی، فکری اورعملی جدوجہد سے بورڈ کو مسلسل تقویت پہنچاتے رہے ہیں۔انہوں نے بورڈ کو درپیش مختلف چیلنجوں کا دندان شکن جواب دیا اور بورڈ کی سرگرمیوں میں وہ شروع سے ہی شریک وسہیم رہے ہیں کیوں کہ بورڈ کے قیام کا تخیل جب اس کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے دست وبازو کی حیثیت سے ان کے جملہ علمی وفکری کاموں کو انجام دے رہے تھے۔چنانچہ جب مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے جوخصوصی میٹنگ دیوبند میں بلائی تھی، حضرت

قاضی صاحب اس میٹنگ میں بھی موجود تھے اوراس تاریخ ساز میٹنگ میں تاریخی تجاویز بھی انہوں نے ہی پیش کی تھی اور ممبئی میں ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' کی تیاری اور اسے مفید وموثر بنانے میں بھی اہم کردارادا کیا تھا۔

''مسلم پرسنل لابورڈ'' کے سامنے شاہ بانو کیس کا مسئلہ آیا تو بورڈ کے قائدین چونک پڑے اور اسے شریعت میں مداخلت تصور کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس کے خلاف جمہوری طریقے پر احتجاج کریں اور شرعی قانون پر نئے قانون کی بالادستی سے عوام کو بھی باخبر کریں گے۔ بورڈ کے ذمہ داروں نے ایک وفد ترتیب دیا جس نے ملک بھر کے دورے اور جلسوں کا پروگرام بنایا۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اور پنجاب سے آسام تک بورڈ کے جس وفد نے ملک میں کہرام مچادیا اس میں اپنے پیش رو کے ساتھ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی پیش پیش تھے۔ کہیں مفکراسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ہمراہ اور کہیں مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی شراکت میں اور بہت سی جگہوں پر خود میر کارواں رہے اور اپنی علمی بصیرت، مخصوص لب ولہجہ اور انداز خطابت سے ملک کے کونے کونے میں ایسا جادو جگایا کہ بورڈ امت مسلمہ کی آواز بن گیا۔ حضرت قاضی صاحب نے مسلم پرسنل لابورڈ کا تعارف نہایت واضح اور مدلل انداز میں کیا۔ اس موضوع پر ان کی لکھی ہوئی ایک گراں قدر تحریر کتابی صورت میں متعدد بارشائع بھی ہوچکی ہے۔

مسلم پرسنل لابورڈ نے جے پور کے اجلاس میں نظام دارالقضاء کے قیام سے متعلق تجویز منظور کی اور حضرت قاضی صاحب کواس کا ذمہ دار قرار دیا۔ قاضی صاحب نے اس کے لئے نہ صرف یہ کہ کئی دارالقضاء قائم کئے بلکہ امارت شرعیہ کی نگرانی میں ایک بے مثال ادارہ بھی قائم فرمایا جہاں ممتاز فضلاء کو قضاء وافتاء کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

مسلم پرسنل لابورڈ نے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی نگرانی میں عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین کا کام شروع کیا تھا جو مولانا رحمانی کی زندگی میں ہی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، اس اہم علمی کام میں بھی حضرت قاضی صاحب شریک رہے اور امارت شرعیہ کے اپنے

چند رفیق کار کے ساتھ اس کی تکمیل میں کلیدی رول ادا کیا۔

مسلم پرسنل لابورڈ کے دوسرے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے انتقال کے بعد 23/اپریل 2000 کو جب ارباب حل وعقد نے باتفاق رائے قاضی صاحب کو بورڈ کا صدر منتخب کیا تو اس کو ملک وبیرون ملک کے علماء قائدین نے ''حق حق دار رابرسید'' کہا اور نہایت اطمینان کا اظہار کیا۔ میڈیا نے اس انتخاب کو بڑی اہمیت دی اور شاید ہی کوئی خبر رساں ایجنسی ہوگی جس نے اس خبر کو نمایاں نہ کیا ہو۔ بورڈ کی صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے موصوف نے بورڈ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور بورڈ کو متحرک وفعال بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(2002......................تاحال)

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی وفات کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لیے ذمہ داران بورڈ کے متفقہ فیصلے سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا انتخاب کیا گیا۔ آپ نے بورڈ کی صدارت جس شان سے فرمائی اس سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہمیت اور اس کے اثر ورسوخ میں بے پایاں اضافہ ہوا۔ آپ نے بابری مسجد سے دستبرداری کے سلسلے میں نہ یہ کہ سخت گیر ہندوؤں کی مخالفت کی بلکہ بعض نام نہاد مسلم دانشوروں کی رائے کو بھی مسترد کیا اور آنند سرسوتی کانچی پیٹھ شنکرآچاریہ کو گھٹنہ ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ آپ کی صدارت میں 21 تا 23 جون 2002 کو آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا 16واں اجلاس چارمینار حیدرآباد میں منعقد ہوا جس میں مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوششوں پر روک لگانے کے لیے متعدد تجاویز پیش کئے گئے۔

آپ ہی کی صدارت میں 17واں اجلاس یکم،2 مارچ 2003 کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں پرسنل لا بورڈ پر منڈلاتے خطرات کو ٹالنے کی حکمت

عملی پر غور وخوض کیا گیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا 18 واں اجلاس بھی آپ ہی کی صدارت میں تاج المساجد بھوپال میں مورخہ ۲۹/اپریل تا یکم مئی ۲۰۰۵ء میں منعقد ہوا۔ بورڈ کا 19 واں اجلاس ۱۰ تا ۱۲/جنوری جنوبی ہند چنئی میں منعقد ہوا۔ اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا 20 واں اجلاس آپ کی صدارت میں مورخہ ۲۹/فروری تا ۲ مارچ ۲۰۰۸ء کو کولکاتہ پاک سرکس میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے گوشہ گوشہ سے بورڈ کے مندوبین نے شرکت کی اور بورڈ کی طرف سے پیش کردہ تجاویز پر اتفاق رائے قائم ہوا۔ اس طرح سے مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانوں کے عائلی مسائل کے تحفظ کے حوالے سے آپ کی قیادت میں سرگرم عمل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے سایہ کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور بورڈ اپنی کارکردگی میں رواں دواں رہے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(1991.....................تاحال)

مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی وجنرل سکریٹری امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے وصال کے بعد اراکین بورڈ کی نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو نہایت ذمہ داری اور بنا کسی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے عرصہ دراز سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے دست راست بن کر امارت شرعیہ کے منصب نظامت پر گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ تیس برس تک امیر شریعت رابع حضرت مولانا رحمانی کی نگرانی میں کام کا تجربہ، ان کی فکری مسلک ومشرب سے واقفیت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک شروع ہی سے شرکت کی وجہ سے حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم کو بورڈ کو متحرک وفعال رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس لئے بھی کہ انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ جیسے بلند پایہ عالم دین اور عالم اسلام کی معروف شخصیت کے تعاون وحمایت میں کام کرنے کا موقع ملا جن کی بھاری بھر کم شخصیت مرکز اتحاد بنی ہوئی تھی۔

اور آج انہیں ایک ایسے صدر (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی) کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے جن ساتھ پچھلے چالیس برسوں سے ذہنی وفکری ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق رہا ہے۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم نے مشترکہ طور پر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے دائرہ کار کو جو وسعت دی ہے امید کی جاتی ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی عظیم الشان قوت میں تبدیل کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم کی سرکردگی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا احمد آباد اور ممبئی میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جو اپنی اہمیت وافادیت اور تاثیر کے لحاظ سے نہایت اہم اور تاریخ ساز اجتماع تھا۔ مولانا کی نگرانی میں بورڈ نے بابری مسجد ودیگر مقدمات کی کامیاب پیروی کی ہے۔ اللہ انہیں ملت کی رہبری کی مزید توفیق دے اور صحت وعافیت سے نوازے۔ آمین

مسلم پرسنل لا بورڈ کو نائبین صدور حضرت مولانا سید کلب صادق صاحب، مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، مولانا سراج الحسن صاحب، جیسی بلند وبالا شخصیتوں کی حمایت وتعاون حاصل ہے اور شروع سے ہی کلیدی عہدہ و پر فائز ہو کر گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کے علاوہ بورڈ کو جناب عبدالستار یوسف شیخ، جناب محمد عبدالرحیم قریشی اور حضرت مولانا سید ولی رحمانی جیسے فعال ومتحرک اور ذی اثر شخصیتوں کا بھی تعاون حاصل ہے جو بحیثیت سکریٹریز مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کر رہے ہیں۔

جناب یوسف پٹیل سابق سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

عالی جناب یوسف پٹیل عروس البلاد ممبئی کی معروف ومشہور شخصیت تھی علماء سے خاص لگاؤ، مقامی وملکی مسائل سے باخبر اور فکر مندی ان کا خاص وصف تھا۔ انہوں نے ممبئی کے بے شمار سیاسی، سماجی اور ملی مسائل کو حل کرنے اور ایک ذمہ دار شہری ہونے کے ناطے جو

فعال رول ادا کیا ہے انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

''آل انڈیا مسلم پرسنل کنونشن'' جو دسمبر 1972 میں ممبئی میں منعقد ہوا تھا جس میں ہزاروں علماء ومشائخ اور ہر مکتب فکر کے قائدین نے شرکت کی تھی اور اجلاس عام میں پانچ لاکھ سے زائد مسلمانوں کا ایک پر جوش ہجوم تھا اجلاس کو کامیاب بنانے اور کے نظم ونسق کو سنبھالنے نیز مفید وبار آور بنانے کے پیچھے جن لوگوں کی شب وروز کی محنت اور انتھک جدوجہد شامل تھی ان میں جناب یوسف پٹیل کا امتیازی رول تھا۔ اس اجلاس کی غیر معمولی کامیابی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی وجہ بنی، چنانچہ 1973 میں حیدرآباد کے اجلاس میں باضابطہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ جناب یوسف پٹیل اپنی خدمات، جدوجہد اور فعالیت کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ اور علماء وقائدین سے قریب تر ہوتے چلے گئے یہاں تک انہیں مسلم پرسنل لا بورڈ کا سکریٹری نامزد کیا گیا اور انہوں نے مرتے دم تک مسلم پرسنل لا بورڈ کو تقویت پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اللہ ان جیسے مرادن کار اور مخلص لوگوں کو پیدا فرمادے اور ملت کے بکھرے ہوئے گیسو سنوار دے۔

ماہنامہ معارف قاسم جدید

ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی اور ادبی ترجمان ہے جو دہلی سے 2000ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ معارف قاسم جدید نے ملک اور بیرون ملک جس تیزی سے شہرت ومقبولیت حاصل ہے بہت کم رسالوں کو اتنی کم مدت میں یہ مرتبہ نصیب ہوسکا ہے۔ معارف قاسم کی مقبولیت کا اندازہ ہر شمارہ میں شائع ہونے والے مضامین ومقالات اور خطوط سے لگایا جاسکتا ہے۔ بانی جامعہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی سرپرستی وادارات میں قومی دارالحکومت سے شائع ہونے والے اس ماہنامہ کی ہر چہار جانب سے اہل علم وفضل کے ذریعہ پذیرائی ہو رہی ہے۔ معارف القاسم جدید کی ایک خصوصیت جو اسے دوسرے رسالوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ محض چند سالوں میں اس کے بیش قیمتی خصوصی شمارے منظرِ عام ہوکر داد وتحسین پا چکے ہیں۔ قاضی مجاہد الاسلام نمبر، مسلم پرسنل لا نمبر، سیرۃ النبیؐ اور پیامِ انسانیت نمبر کی تو ملک اور بیرون ملک جس طرح پذیرائی ہوئی ہے اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگا یا جاسکتا ہے کہ باذوق قارئین اور معزز علماء کرام اور دانشوران نے ان شماروں کی دل کھول کر ستائش کی ہے اور مدیر اعلیٰ کی کاوش کو داد تحسین سے نوازا ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ معارف قاسم نے اپنی منزل سر کرلی ہے۔ بلکہ اسے ابھی طویل مسافت طئے کرنی ہے۔ اس کے لئے اہل خیر واہل قلم دونوں حضرات کی توجہ مطلوب ہے۔ یہاں پر چند خصوصی شماروں کا ذکر ناگزیر ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام نمبر

امارت شرعیہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، آل انڈیا ملی کونسل، اسلامک فقہ اکیڈمی

اور سہ ماہی بحث ونظر سے وابستہ رہنے والے حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ (ولادت 9اکتوبر 1936،وفات 4اپریل2002)عہد حاضر کی عظیم مجتہد اور فقیہہ تھے۔انہوں نے دورجدید کے پیچیدہ مسائل پر سنجیدگی سے غور کرکے ایسے نتائج اخذ کئے جو عصر حاضر سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ قرآن وحدیث سے ہم رنگ بھی تھے۔اس طرح مسئلوں کا استنباط واستخراج ان کی ژرف نگاہی اور فقہی بصیرت کی دلیل ہے۔’خطبات مدراس‘ کی یادتازہ کرنے والے’خطبات بنگلور‘میں اہل مغرب کی انسانیت نوازی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ان کی شکم پروری کے نکتہ کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔وہ اعتراف کرتے ہیں۔’ایسا نہیں ہے کہ مغرب میں کوئی خوبی ہی نہیں ہے۔اس کی بعض اخلاقی خوبیوں اور انسانی قدروں کا معترف ہوں۔معذوروں کی خدمت کا جذبہ اور یہ بات کہ ان کے یہاں کوئی شخص بے کار ہی نہیں رہ سکتا،بھوکوں نہیں مرسکتا،سوشل سیکورٹی ان کو ضرور کھلائے گی۔میں نے ان میں بہت سی خوبیاں آنکھوں سے دیکھی ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ ان کے یہاں یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کا چھینٹا پڑا ہے۔افسوس کہ یہ برکت ہمارے سماج سے اٹھتی جارہی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو اگر جوہر ایمان حاصل ہو جائے تو وہ انسانیت کا صحیح نمونہ بن جائے،لیکن افسوس کہ مادیت کے جنون نے ان کو بد مست کررکھا ہے،ان کے یہاں انسانیت صرف پیٹ کا نام ہے۔‘

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی پر ماہنامہ معارف قاسم جدید کا خصوصی شمارہ مفکر ملت کی متنوع جہتوں سے آگاہ کرانے کی امتیازی سعی ہے جسے پانچ ابواب (شخصی وفکری نقوش،یادیں،فقہی تناظر،خدمات،خراج عقیدت)میں منقسم کیا گیا ہے۔دو درجن سے زائد علماء نے ان کی جلالت علمی،فراست وبصیرت،بلندنظری اور سوز دروں پر گفتگو کی ہے جس کی بدولت ان کی منفرد شناخت قائم ہوئی۔مسلسل اسفار اور ملی وعوامی مصروفیات سے ان کے تحقیقی کاموں میں کبھی رخنہ نہیں پڑا۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ،مولانا اسرارالحق قاسمی،زبیراحمد ندوی،حقانی القاسمی،غطریف شہباز ندوی،نسیم اختر شاہ

قیصر،مولانا نورعالم خلیل امینی،مولانا عبدالوہاب خلجی اور مفتی محمد فہیم اختر ندوی وغیرہ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ وہ مسلک ومشرب اور ادارہ وجماعت کی حدبندیوں سے بالاتر ہوکر کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد ملت کا پیغام ساری دنیا کو دیتے رہے۔قانونی الفاظ اور شرعی وفقہی اصطلاحات پر ان کی گہری نظر تھی۔انہوں نے عالمی سطح پر اسلامی مفکرین وعلماء نیز تحریک اسلامی کے حلقوں سے نئی حکمت عملی اختیار کرنے اور حالات کا ازسرنو تجزیہ کرنے کی درخواست بھی کی جسے قبول کرلیا گیا۔عالم اسلام کے حکمرانوں کے مشیران سے تبادلۂ خیالات اور استفادہ کے لئے ملتے تھے اور وہ سب کو حکیمانہ انداز سے اسلام کے زریں عدل کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔مولانا منت اللہ رحمانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ اور دیگر کئی ادارے انہی کی کوششوں سے قائم ہوئے۔انہی کی تحریک سے مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل وجود میں آیا۔جدید نسل کے ہونہار نوجوانوں کو تربیت دے کر حال وماضی کے اصحاب کمال کا وارث بنانے کے لئے المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتا کی بنیاد ڈالی جہاں فتوی نویسی کی تربیت کے ساتھ فقہی موضوعات پہ تحقیق بھی کرائی جاتی ہے۔یہ شمارہ مجتہد عہد حاضر پر وقیع معلومات دینے کے ساتھ ان کی شخصیت کے کئی اہم گوشوں سے واقف بھی کراتا ہے۔مدیراعلی حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اور دیگر قلم کاروں کی کاوشوں نے اسے قابل مطالعہ بنا دیا ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ نمبر

’’معارف قاسم جدید‘‘ کا سیرۃ النبی ﷺ نمبر 2005 میں منظر عام پر آیا تھا۔یہ نمبر تقریبا312 صفحات پر مشتمل ہے۔اس خصوصی شمارہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ جید علماء متقدمین کی نگارشات کو بڑی اہمیت کے ساتھ جگہ دی گئی ہے۔اس وجہ سے اس نمبر کی معنویت دوچند ہوگئی ہے۔علاوہ ازیں عہد حاضر کے موقر اصحاب قلم کی تحریروں کو بھی مناسب جگہ دی گئی ہے،یہ مضامین معیاری اور تحقیقی نوعیت کے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ

معارف کے سیرۃ النبی ﷺ نمبر کی اہل علم دانش نے بہت ستائش کی ہے۔حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے۔

’’اس وقت جب کہ انسانیت روحانی طور پر سسکتی بلکتی حالت میں دم توڑ رہی ہے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ محسن انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرۃ مقدسہ کو بہتر طور پر امت کے سامنے پیش کر کے اسلامی قدروں کو اجاگر کیا جائے اور اخلاقی پستی کو بلند اخلاق سے تبدیل کر کے انسانیت کو اعلی مقام دلانے کی جدو جہد کی جائے۔آپ کی پیش رفت پر میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔حق تعالی شانہ سے بصمیم قلب دعا گو ہوں کہ اس خصوصی شمارہ کو قبول فرمائے اور اس کو افادہ عام کیلئے شرف قبولیت سے نوازے۔(۱)

حضرت سید قطب شہیدؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، حضرت مولانا زین العابدین سجاد میرٹھیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا حکیم سعید صاحبؒ کی قیمتی تحریر سے معارف قاسم کا سیرۃ النبی ﷺ نمبر آراستہ اور مزین ہے۔آخر میں گوشۂ منظوم کے تحت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت خواجہ مجذوبؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے منظوم نعتیہ کلام شامل ہیں۔ایسے پرفتن دور میں جب کے نسل نو مغربیت کی اسیر ہوتی جارہی ہے، دین واسلام سے تعرض وبیزاری ان میں بڑھتی جارہی ہے رسول خدا ﷺ کے آفاقی پیغام کو عوام الناس میں عام کرنے کا جذبہ صادق رکھنے والوں کیلئے معارف قاسم کا سیرۃ النبی ﷺ نمبر گراں مایہ اور نعمت غیر مترکبہ ہے۔یہ شمارہ ان حضرات کیلئے بھی اتنا ہی موثر اور مفید ہے جو اصلاح معاشرہ کیلئے جدوجہد کررہے ہیں۔

۱۔ معارف قاسم سیرۃ النبی ﷺ نمبر صفحہ 15

مسلم پرسنل لا نمبر

مسلم پرسنل لا کا نفاذ اگرچہ مغلیہ عہد میں بھی تھا مگر جب فرنگی حکمرانوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو اسے عیسائی مملکت بنانے کیلئے ملکی آئین کا جائزہ لیا اور دستور ہند میں شامل قانون شہادت اور قانون معاہدات کو آہستہ آہستہ منسوخ کرادیا۔اس پر امت مسلمہ نے احتجاج کیا تو رائل کمیشن مقرر کردیا گیا جس کی رپورٹ میں یہ کہا گیا کہ معاشرتی قانون کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔اگر اس میں تبدیلی ہوئی تو مسلمان انگریزوں کے خلاف میدان میں آجائیں گے۔انگریزی دور اقتدار میں جب ہندو رواج کے مطابق بہن کو حصہ دینے سے عدالت نے انکار کردیا تو تحفظ شریعت کے حوالے سے آواز بلند کی گئی۔اکابرین کی مساعی سے 1937 میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ بنا جس میں قانون ساز کو پابند کیا گیا کہ مسلم فریقین کا فیصلہ عائلی قوانین میں شریعت محمدی کے مطابق کیا جائے۔دفعہ 44 میں شامل یکساں سول کوڈ پر اعتراض ہوا اور ترمیمات پیش کی گئیں جسے مسترد کردیا گیا۔آزادی کے 25 سال بعد بلا امتیاز مذہب وملت منہ بولے بیٹے کو اولاد کا درجہ دینے کا معاملہ سامنے آیا جو واضح طور پر شریعت میں مداخلت تھا۔ایسے نازک حالات میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں اجلاس طلب کیا جس میں اکابرین دیوبند نے مسلم پرسنل لا کو لاحق خطرات سے آگاہ کیا۔میٹنگ کے اہم فیصلوں میں مشترکہ پلیٹ فارم کی تشکیل بھی تھی۔ 27 و 28 دسمبر 1972 کو مہاراشٹر کالج کے اجتماع میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔تین دہائی سے زائد عرصہ میں اس بورڈ کے صدور حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، نیز امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ جنرل سکریٹری رہے جن کی بے مثال قیادت نے بورڈ کو ہندوستانی مسلمانوں کی مشترکہ آواز بنایا۔

’’ماہنامہ معارف قاسم جدید‘‘ کا مسلم پرسنل لا نمبر موضوع ہذا پر ایک دستاویزی

پیشکش ہے جسے 7 ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ بات اول میں تمہیدی مضمون مسلم پرسنل لا کیا ہے؟ کے علاوہ مسلم پرسنل لا اور ہماری ذمہ داریاں (قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) مسلم پرسنل لا اور اسلام (مولانا صدرالدین اصلاحیؒ) کی شمولیت ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے اصولوں کے ذریعہ ہی زندگی کو فائز المرامی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔ یہ روح ملت کا محافظ ہے جس سے محرومی تشخص کو فنا کردے گی۔ باب دوم کے تحت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، سید احمد قادریؒ اور مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ کی تحریروں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہندوستان میں کوئی بھی جماعت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی برداشت نہیں کرسکتی۔ تعدداز دواج پر پابندی کا بل درست نہیں کیونکہ مخصوص حالات میں ایسا کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔ اگر حکومت اس میں مداخلت کرتی ہے تو یہ اقدام سراسر نامناسب ہے۔ باب سوم اقلیتوں کے مسائل اور اصول کے حوالے سے مختص ہے جس میں ڈاکٹر صلاح الدین سلطان، مولانا بدرالحسن قاسمی اور علامہ اقبال کی تحریروں کو جگہ دی گئی ہے۔ اس میں فقہ الاقلیات کے اصول وضوابط پر جامع گفتگو کے ساتھ خاندان کی تشکیل کے اسلامی اصول اور اسلام میں مردوزن کا رتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب چہارم میں محمد عبدالرحیم قریشی، مفتی محمد ارشد فاروقی اور عبدالقادر شمس قاسمی نے مسائل طلاق پر عدالتوں کے فیصلے، نکاح رجسٹریشن، بابری مسجد اور لبراہن کمیشن کو موضوع بنایا ہے۔ باب پنجم میں برطانوی سماج اور اسلامی قوانین کو زیر بحث رکھا گیا ہے جس میں ڈاکٹر رودن ولیمس، انور علی ایڈووکیٹ، مولانا محمد عیسیٰ منصوری اور وسیم احمد نے وہاں کے قوانین شرعیہ اور اسلامی عدالتوں کے شوق کا جائزہ لیا ہے۔ باب ششم بنگال محمڈن میرج ایکٹ قانون، ترمیمات قانون وقف 1995 اور مختلف ایکٹوں کے تعارف پر مشتمل ہے۔ بات ہفتم میں مولانا سید محمد ولی رحمانی، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی، نور اللہ جاوید قاسمی، عزیز بلگامی اور مولانا محمد یوسف انور نے نہ صرف یہ کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تاریخ، ماضی حال و مستقبل اور امت کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی ہے بلکہ بورڈ کے صدور اور سکریٹری کا

تفصیلی تعارف بھی کرایا ہے۔ جریدہ ہذا کے مدیر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی پر گراں قدر تحریر موصوف کی علمی کاوشوں کو سامنے لانے کے ساتھ قوم وملت کیلئے کی جانے والی سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

دیگر مشمولات میں، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ، حضرت مولانا سید نظام الدین، حضرت مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری، حضرت مولانا مفتی احمد دیولا، مولانا سید جلال الدین انصر عمری، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا حکیم محمد اسلام انصاری اور مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کے پیغامات، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، علامہ محمد اکرام علیؒ، حضرت مولانا اطہر حسینؒ، سیدہ شاہدہ (مولانا سید محمد شاہد شاہد سہارنپوری کی والدہ) کے انتقال پرملال پر مشتمل گوشہ وفیات، حضرت مولانا یعقوب اسماعیل منشی قاسمی چیئر مین مجلس تحقیقات شرعیہ ڈیوزبری انگلینڈ کی دو عظیم تصنیفات کا بلاگ تبصرہ، اسلامی قانون نکاح وطلاق، برطانیہ واعلیٰ عروج البلاد پر اوقات صبح صادق وشفق کی تحقیق اور تالیفات مرغوب پر تبصرے نیز جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے شب وروز کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ بحیثیت مجموعی مدیر اعلیٰ نے عہد حاضر کے ایک اہم موضوع کی متنوع جہتوں پر علماء کرام اور دانشوروں کی گراں قدر تحریروں کو یکجا کیا ہے جس سے خصوصی شمارے کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔

پیام انسانیت نمبر

خاندان اور قوم کی تشکیل ایک دوسرے کی شناخت کے لئے کی گئی۔ عدل پروری، انصاف پسندی اور خدمت خلق انسانی صفت ہے جبکہ ظلم واستبداد اور تعیش پسندی خیر امت کا شیوہ نہیں۔ فطرت کی آواز پر لبیک کہنا پیام انسانیت ہے۔ فکری بحران کے دور میں امن و اخوت اور بقائے باہمی کی تلقین ضروری ہے۔ اسے باقاعدہ تحریک اور مشن کی صورت میں

آگے بڑھانا چاہئے۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار میں 26/اپریل 2010 کو پیام انسانیت کنونشن کا انعقاد اسی حوالے سے ہوا اور ماہنامہ معارف قاسم کا خصوصی شمارہ اس مہم کو دوررس بنانے کی تحریری کوشش ہے۔ اسے لازم وملزوم اور ایک سکّے کے دو پہلو کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

'پیام انسانیت نمبر' مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کے کلیدی خطبہ کے علاوہ تقریباً دو درجن علماء کرام اور قلمکاروں کی تحریروں سے آراستہ ہے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، ڈاکٹر عمر حیات عاصم، حضرت مولانا علی میاں ندوی، حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، حضرت مولانا حکیم محمد اختر، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا اسیر ادروی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عباس ندوی، مولانا عنایت اللہ حقانی، مولانا ندیم الواجدی اور مدیر جریدہ ڈاکٹر شہاب الدین قاسمی نے امن عالم، نسل انسانی کی تربیت، اسوہ محمدی ﷺ، زوال انسانیت کا سبب، وحدت، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی تحریک اصلاح، دعوت امین، مزدوری کے حقوق، مذاکرات بین المذہب وغیرہ پر جامع گفتگو کی ہے۔ نیت، اتحاد واخوت، مساوات، اخلاق اور امانت کی سپردگی بھی انسانیت کے ذیل میں آتی ہے جسے موضوع بھی بنایا گیا ہے۔ رسالہ کے ابتدا میں مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی، مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری، حکیم محمد اسلام انصاری، مفتی احمد دیولوی، مولانا ابراہیم مظاہری، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی اور قاری اسمٰعیل بسم اللہ کے پیغامات کی شمولیت ہے جس میں کنونشن کو کامیاب بنانے والوں کو مبارکباد دینے کے ساتھ ناظم جلسہ کے اقدام کو قابل ستائش قرار دیا گیا ہے۔ حسن تحریر وترتیب کی وجہ سے شمارہ قیمتی دستاویز بن گیا ہے۔ آخر میں انگریزی سیکشن ہے جو حضرت مولانا علی میاں کی تحریر کا سلیس انگریزی میں ترجمہ ہے۔ یہ مضامین بھی پیام انسانیت کے حوالے سے ان حضرات کیلئے کافی اہمیت کے حامل ہیں جو انگریزی زبان سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس خصوصی شمارہ کو وقت کی ضرورت یا وقت کی آواز کہا جاسکتا ہے۔

معارف قاسم کے اداریے

معارف قاسم کے اداریہ میں حالات حاضرہ کی مناسبت سے حضرت مفتی صاحب نے گراں قدر اور قیمتی مضامین تحریر کئے ہیں۔ ملی اور دینی مسائل پر لکھے گئے یہ اداریے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ معارف قاسم کے اداریہ کے سلسلہ میں قارئین کے خطوط سے ان کی افادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل اور کئی خاص موضوعات پر لکھی گئی آپ کی چند تحریرات کو یہاں شامل کیا جارہا ہے۔

مسلم پرسنل لا پر منڈلاتے خطرات کے بادل

ہندوستان کے جمہوری نظام میں مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی دستوری اجازت حاصل ہے کہ وہ شرعی قوانین پر عمل پیرا ہوں اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ عائلی مسائل کے تعلق سے مسلمان جملہ حقوق کی بازیابی بھی شرعی اصولوں کی روشنی میں کریں، لیکن کبھی عدالتوں میں اور کبھی ایوانوں میں مسلم پرسنل لا پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں۔ شرعی قوانین پر تیشہ زنی کبھی اسلامی قوانین سے عدم واقفیت کی بنا پر ہوتی ہے اور کبھی محض بغض وعناد کی بنیاد پر۔ ہر دو حالت میں ہونے والے فیصلوں سے مسلمانوں کو شدید اذیت پہنچتی ہے، کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک اسلامی قوانین کو نہ کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بدلا جاسکتا ہے۔ اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ شرعی اصول وکلیہ کی روشنی میں اجتہادی موشگافیوں کا بھی اختیار علماء محققین کو ہی ہے نہ کہ شریعت سے ناواقف عدالتوں کے ججوں کو۔

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک کو 1972 میں ہندوستان کے علماء وقائدین نے تیز کیا تھا اور اسی کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا، الحمدللہ مسلم پرسنل لا بورڈ تحفظ دین متین کے نگہبان کے طور پر سرگرم ہے تاہم آئے دن شرعی

اصولوں پر سوالات کھڑے کیے جانے کا سلسلہ جاری ہے اور ہر ممکن یہ کوشش کی جارہی ہے کہ قوانین اسلامیہ میں نقص نکالا جائے اور اسے موجودہ عہد کے لیے ناقابل عمل قرار دیا جائے۔لیکن علماءِ اسلام جس طرح ماضی میں اسلام کو مٹانے والی ہر طاقت سے ٹکراتے رہے ہیں اسی طرح وہ آج بھی کسی ایسی کوشش کو سبوتاژ کردینے کے لیے تیار ہیں جو شریعت کے خلاف کی جائے۔مسلم پرسنل لا بورڈ کے اولین صدر اور علمائے امت کے سرخیل حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے فرمایا تھا کہ ’’اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت و درایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔مذاہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی مثال ایک ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں، اگر ہیں تو وقت کی دھارے سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں، زمانہ کی کسی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔‘‘

حضرت قاری محمد طیبؒ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’ہم اپنے دین و دانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے، بلکہ دوربین سے دیکھئے یا خوردبین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔‘‘

مسلم پرسنل لا پر حملے ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں، لیکن امت نے اجتماعیت واتحاد سے ایسی سبھی کوششوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا ہے تاہم ملک کے طول وعرض میں قائم مختلف سطح کی عدالتوں میں آئے دن ایسے فیصلے ہوتے رہتے ہیں جو شرعی اصولوں سے متصادم ہوں۔دوسری طرف کچھ اسلام مخالف طاقتیں عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی یہ مطالبہ کرتی رہی ہیں کہ اسلامی اصولوں میں سختی ہے، عدم رواداری ہے، بنیاد پرستی ہے، عورتوں پر طرح طرح کی پابندی ہے، اس لیے اس میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ان

حالات میں علماءِ امت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کی حقیقی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ثابت کریں کہ اسلامی قوانین ہر عہد اور حالات کے لیے یکساں مفید اور عملی بنیادوں پر ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ سے وابستہ علماء نے اسلامی قوانین سے بھی لوگوں کو واقف کرایا ہے اور معترضین کو بھی خاموش کیا ہے لیکن یہ قابل توجہ ہے کہ ہر روز معاندین ومخالفین نئے نئے جال لے کر آتے ہیں اور اسلام کو متہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ اس کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی چوکس وچوکنا رہنا ہوگا اور روشن خیال عوام کو بھی کہ وہ کہیں ان کے فریب میں نہ پھنس جائیں۔

ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کو خطرہ ان روشن خیال مسلم دانشوروں سے بھی ہے جو شریعت کا گہرا علم تو نہیں رکھتے لیکن معاندین کے اعتراضات کی رو میں بہہ کر شرعی اصولوں پر ہی تنقید کرنے لگتے ہیں اور شریعت میں غیر ضروری اجتہاد کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔یہ وہی طبقہ ہے جو ہر زمانہ میں علماء پر تنقید کرتا رہا ہے اور شرعی اصولوں کو فرسودہ ثابت کرتا رہا ہے۔ایسے حالات میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جدوجہد دو محاذوں پر کرنا ضروری ہے۔

معارف قاسم جدید کا یہ خصوصی شمارہ مسلم پرسنل لا نمبر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔اس میں مسلم پرسنل لا کی حقیقت پر وقیع مضامین اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی مختلف تجاویز پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اس شمارہ میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے وہ دراصل آج کے ہندوستان کا جلتا ہوا موضوع ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت تو دستوری طور پر حاصل ہے، لیکن جب عائلی مسائل کے حل کے لئے دارالقضاء کو تسلیم کرنے کی بات آتی ہے تو اس بات کا واویلا شروع کردیا جاتا ہے کہ متوازی عدالتی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکومت کاغذی طور پر حقوق تو دینا چاہتی ہے لیکن جب اس کی عملی شکل پیش کی جاتی ہے تو اسے نامنظور کردیا جاتا ہے۔معارف قاسم کے اس شمارے میں ان موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ہم نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ بہت وسیع اور نہایت ہی ہمہ گیر ہے، ظاہر ہے،ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے موضوع کا مکمل احاطہ کرلیا ہے تاہم اس موضوع کو علماء اور دانشوروں کے غور وفکر کا ایجنڈا بنانے کی سمت میں یہ ایک چھوٹی سی کوشش ضرور ہے۔ اہل علم ونظر اپنی آراسے ہمیں نوازیں تاکہ ہم آئندہ ان کی روشنی میں مضامین مرتب کرسکیں۔

مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام: اصل کھیل کیا ہے؟

حج بیت اللہ کی سعادت جسے نصیب ہوجائے اسے دنیا میں بھلا اور کس چیز کی تمنا ہوسکتی ہے۔ایک حقیر انسان کیلئے عزت وشرف کی بات ہے کہ خالق کائنات اس کو جائز اور شرعی طریقے سے اپنی چوکھٹ پر بلائے، بلدامین اس کی میزبانی کرے۔ بندہ تو اپنے رب کا ہر لمحہ محتاج ہے۔ پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک رب کریم اس کی کفالت کرتا ہے مگر اپنے گھر بلا کر جو ضیافت فرماتا ہے اس کا کوئی بدل ہی نہیں، گناہوں کا بوجھ لے کر جانے والے عازمین مغفرت کی بیش بہا سوغات لے کر واپس ہوتے ہیں۔

ارشاد نبوی ہے: ’’جس نے حج کیا اور فحش کلامی نہیں کی اور بد عملی سے بچا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے پیدائش والے دن بچہ‘‘۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے:

’’میرے فرشتو! میرے ان بندوں کو دیکھو پراگندہ بال، غبار آلود اور دھوپ میں آئے ہیں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ انہیں بخش دیا‘‘۔

معزز قارئین! دینی مدارس کی شناخت مٹانے کی ناپاک کوشش دشمنان دین و مذہب ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں۔ یہ بات وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ امت محمدیہ کو صراط مستقیم سے ہٹانے اور ان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے دینی مدارس جو مذہب اسلام کے قلعے ہیں ان کا خاتمہ کئے بغیر دشمنوں کا غلیظ اور خطرناک مشن کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔یہی وہ خاص وجہ ہے کہ معاندین امت محمدیہ، دنیا بھر کے دینی اداروں کو

اپنی بے جا تنقید کا نشانہ بنا کر دنیا کے سامنے دہشت گردی کا اڈہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔گزشتہ چند سالوں سے ان کی یہ تحریک ہمارے ملک میں بھی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت چل رہی ہے۔ بدقسمتی سے ملک عزیز کی کئی شدت پسند تنظیمیں ان کو بھرپور تعاون دے رہی ہیں،جس کی وجہ سے ملک کے خاص طبقہ کے ذہن کو مدارس کے تعلق سے تبدیل کرنے میں یہ کافی حد تک کامیاب ہوچکے ہیں۔ایسی منفی سوچ کے حامل افراد میں سرکاری افسران کے ساتھ اعلی رہنما بھی شامل ہیں۔جیسا کہ مرکزی وزیر قانون ویرپا موئلی نے اپنی ایک رپورٹ میں اظہر ہند دارالعلوم دیوبند کو نشانہ بنایا تھا۔اس طرح کے خیالات بہت سے رہنماؤں کے ہیں کہ مدارس میں امن وشانتی نہیں تشدد کی تعلیم دی جاتی ہے اس لئے اس کے بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی ناگزیر ہے۔اس خاص سوچ اور سازش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ملک کے لیڈران مرکزی مدرسہ بورڈ بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کا یہ مشن بہر صورت کامیاب ہوجائے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس وقت بھی چند میر جعفر کی حمایت انہیں حاصل ہے جس کے کاندھے پر بندوق رکھ کر یہ ایک تیر سے دو نشانہ لگانا چاہتے ہیں۔مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کی ڈگر پر لانے کے لئے ان کی نظر میں مدارس میں تبدیلی وقت کا سب سے اہم ترین تقاضہ ہے جس کے بغیر مسلم بچوں کی تعلیمی پسماندگی دور نہیں ہوسکتی۔اس کوشش کے پیچھے کی سچائی یہی ہے کہ مدارس کی روح کو کسی بھی طرح سے ختم کر دیا جائے تاکہ یہاں کے دینی مدارس کا بھی وہی حشر ہو جو ان ممالک میں ہوا جہاں حکومت کی مداخلت یا سرکاری بورڈ قائم ہیں۔

ماہنامہ معارف قاسم کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ملک کے حساس ترین مسائل اور موضوعات پر علماء، اہل علم اور دانشوران قوم کے جو خیالات ہیں اس سے پوری قوم کو واقف کرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک متعدد خصوصی شمارے شائع ہوکر مقبول عام ہوچکے ہیں۔تازہ شمارہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس وقت مدرسہ بورڈ کے قیام کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔اس کے پیچھے کی سچائی کیا ہے؟ اس سے پردہ ہٹانے کیلئے یہ خصوصی شمارہ

ترتیب دیا گیا ہے۔ چونکہ موقع حج بیت اللہ کا ہے اس لئے اس اہم دینی فریضہ کے تعلق سے بھی متعدد معیاری مضامین کو جگہ دی گئی ہے تاکہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس طرح یہ شمارہ حج اور مدارس نمبر پر مشتمل ہے۔ ہمیں اس میں کس حد تک کامیابی ملی ہے اس کا فیصلہ باذوق قاری ہی کریں گے۔ (شمارہ: نومبر ردسمبر 2009)

قادیانیوں کی ایک اور ناکامی!

سال گزشتہ کے اختتام سے چند دنوں قبل (مؤرخہ ۲۶ر دسمبر ۲۰۰۹ء) قادیانیوں کی سالانہ تقریب میں ملک کے وزیر خزانہ جناب پرنب مکھرجی کی شرکت کی خبر کا قادیانیوں نے بڑے زور وشور سے پرچار کیا۔ ظاہر ہے اگر اس تقریب میں وزیر موصوف شریک ہوتے تو یہ ان کی بڑی کامیابی ہوتی۔ یہ لوگ فخریہ بطور سند کے اپنے حواریوں میں ڈھنڈورہ پیٹتے کہ اب ہندوستان میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر مسلمانوں نے متحد ہو کر قادیانیت کی پول کھول دی اور مختلف ذرائع سے انہیں یہ بات پہنچائی کہ قادیانی مسلمان ہی نہیں ہیں۔ صرف ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں کی نظر میں قادیانی کافر اور غیر مسلم ہیں، اس لیے وزیر خزانہ پرنب مکھرجی قادیانیوں کی سالانہ تقریب میں شرکت نہ کریں۔ اگر انہوں نے قادیان جانے کی حماقت کی تو ان کے اس اقدام سے ملک کے تقریباً 30 کروڑ مسلمانوں کی دلآزاری ہوگی۔ مسلمانوں نے شدید مخالفت کی اور بڑے پیمانے پر احتجاج ومظاہرہ کر کے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ وزیر خزانہ نے مسلمانوں کی شدید مخالفت کے پیش نظر قادیان جانے کا اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ گستاخ رسول ملعون قادیانیوں کو اس طرح سے ایک اور ناکامی ہاتھ آئی۔ مسلمانوں کیلئے یہ اطلاع انتہائی خوش کن تھی اس لئے انہوں نے وزیر خزانہ کے اقدام کا خیر مقدم اور کانگریس رہنماؤں کا شکریہ ادا کیا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ درپردہ مسلمان اور اسلام دشمن افراد قادیانیوں کی حمایت کر رہے ہیں جیسا کہ پنجاب سے شائع ہونے والا اخبار ''ہند سماچار'' مسلمانوں کے ذریعہ احتجاج اور

مظاہرہ کو غلط ٹھہراتے ہوئے قادیانیوں کی حمایت پر آمادہ تھا۔ مذکورہ اخبار نے جب انتہا کر دی تو مقامی مسلمانوں نے اسے مذہب اسلام میں مداخلت قرار دیا اور اس کی کاپی نذر آتش کی۔ اس دوران جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ واراکین (تحریک تحفظ ختم نبوت کیلئے مسلسل مہم چلا رہے ہیں اور بے خوف وخطر قادیانیوں کا تعاقب کر رہے ہیں) نے بھی وزیر موصوف کو قادیان جانے سے روکنے کیلئے کانگریس صدر محترمہ سونیا گاندھی اور جنرل سکریٹری راہل گاندھی سے درخواست کی کہ وہ وزیر موصوف کے اقدام پر سخت نوٹس لیں اور انہیں قادیان جانے سے منع کریں۔ انہوں نے ان لیڈران کو باخبر کرایا کہ بانی قادیانی مرزا غلام احمد کو ناموس رسالت کا بدترین دشمن ہے اور قادیانی اسلام کے نام پر ان عقائد کی ترویج واشاعت کرتے ہیں جن کا اسلام سے دور تک کا واسطہ نہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ اپنے قول وعمل کے اعتبار سے اہل اسلام کی نظر میں غیر مسلم رہے اور اپنے سیاہ کارناموں کے ذریعہ مذہب اسلام کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ ایسے میں ملک کے ایک باوقار رہنما کا غدار وطن کی تقریب میں شرکت کرنا سراسر غیر مناسب ہے۔ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ پوری دنیا کے مسلمان تحفظ ختم نبوت کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کر سکتے ہیں مگر ختم نبوتؐ پر غلط نظر رکھنے والے لوگوں کو کبھی نہیں معاف کر سکتے۔ امت محمدیہؐ کیلئے ناموس رسالت کا تحفظ جذبہ ایمانی کا حصہ ہی نہیں بلکہ اہم دینی فریضہ بھی ہے۔ اس ذمہ داری سے خلاصی کسی بھی قیمت پر ممکن نہیں۔ ''جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ'' کے اراکین ومخلصین الحمدللہ قادیانیوں کے سد باب کی مہم میں ہمارے ساتھ ہیں اور ان کے تعاون اور دعاؤں کی وجہ سے ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ حالانکہ قادیانیوں اور ان کے حواریوں کی طرف سے ہمیں ڈرانے اور دھمکانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے مگر ہم نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ آخری دم تک ناموس رسالتؐ کی حفاظت کریں گے اور ختم نبوتؐ کے دشمنوں سے آخری سانس تک ہماری جنگ جاری رہے گی۔

(شمارہ: جنوری رفروری ۲۰۱۰ء)

قادیانیوں کی ایک اور شرانگیزی

قادیانیوں کی شرانگیزی میں روزافزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے مگر تحفظ ختم نبوت کا دم بھرنے والے ہمارے علماء کرام ہاتھ پر ہاتھ رکھے کسی معجزہ کے منتظر ہیں۔ معلوم نہیں ہماری غیرت وحمیت کب جاگے گی؟ نبی آخر الزماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرمٹنے کا دعویٰ کر کے سیاست کی روٹی سینکنے والے عشاق رسولؐ کو تو جیسے سانپ نے سونگھ لیا ہے، ان کی بولتی بند ہے۔ کفر اور اسلام کی دکان چلانے والے ان عاشقان کی بے حسی کا یہی حشر رہا تو رحمت اللعالمینؐ اور اسلام کے بدترین دشمن قادیانی اپنے زہریلے تیر سے ہمارے جسم وروح کو چھلنی کرتے رہیں گے اور اس اہم فریضہ سے ہماری عدم توجہی و بے اعتنائی پر زمانہ ہنسے گا۔

قادیانیوں کی ایک اور گستاخی اور شرانگیزی کا پردہ فاش کرنے سے قبل قارئین کو بتادیں کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت جن کو اصحاب رسولؐ کے مقدس اور محترم لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے معزز ومکرم ہیں، اس مقام و مرتبہ تک نہ کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی کوئی پہنچ سکتا ہے۔

''صحابہ کرامؓ اپنے بعد آنے والے تمام ہی (طبقوں) سے افضل ہیں۔'' (الاصابہ)

ان اصحاب رسول اللہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات سے متعلق یہ روایت کافی مشہور ہے کہ ایک دن حضرت بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا ابوبکر صدیقؓ کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: یارسول

اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تو بہت غمزدہ ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک آواز نہیں پہنچ سکے گی یا لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار بھی یہی حکم دیا کہ ابوبکر صدیقؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ تم ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر صدیقؓ تو بہت غمزدہ ہیں اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے اس لیے آپ عمر بن الخطابؓ کو حکم دیتے تو ٹھیک تھا۔ حضرت حفصہؓ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور حضرت عائشہؓ کی تجویز کے مطابق کہا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا تم سب کی سب یوسف کی ساتھی ہو (برادران یوسفؑ) پھر تیسری مرتبہ فرمایا ابوبکر صدیقؓ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

صحابہ کرامؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت موجود ہے ''ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر یا مقابل کسی اور کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ پھر عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور ان کے بعد دیگر صحابہ کرام۔ یہی عقیدہ امت مسلمہ کا ہے۔ مگر قادیانیوں کی جرأت دیکھیں کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھیوں کو صحابہ لکھنا شروع کردیا ہے۔ اس سلسلے میں قادنیوں کی سالانہ تقریب سے متعلق جو اشتہار شائع ہوا ہے اس کو بطور نمونہ کے دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ اشتہار 26,27 اور 28 دسمبر 2009 کو قادیان میں ہونے والے پروگرام کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ پروگرام کی فہرست میں 8/ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

''سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ''

قادیانیوں کی اس ذلیل ترین حرکت پر کسی بھی اہل ایمان کا خون کھول اٹھے گا۔ مرزائیوں کے باطل عقیدہ سے عامۃ المسلمین کو باخبر نہ کرنا اور اسے یوں ہی نظرانداز کردینا

اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام کے ساتھ حکیم نورالدین کا نام لکھ کر قادیانی نے جو پیغام دیا ہے اس پر تمام امت مسلمہ کے علماء و دانشوران کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات جن باتوں کو ہم مصلحت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ باتیں کبھی کبھی خطرناک مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جو میرے صحابہ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم واجمعین سے محبت کرے اور یہ ایمان والوں کے لئے ممکن نہیں کہ ان سے محبت نہ کرے۔ (خلاصہ عقیدۃ الطحاوی)

قادیانی اپنے باطل عقیدہ کے تحت اپنے دین و مذہب کا نام الگ رکھ لیں اور دیگر مذاہب کی طرح اس گمراہ کن مذہب (فتنہ قادیانی) کی تشہیر کریں تو کسی کو بھی اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا مگر اسلامی اصطلاحات کا استعمال قادیانیت کی تبلیغ کے لئے ہو یہ قطعی ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں اس لئے ہم مرزائیوں کی اسلام اور انسانیت مخالف سرگرمیوں کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

(شمارہ: مارچ/اپریل ۲۰۱۰ء)

توہین رسالت ﷺ کی سزا

سرکار دو عالم خاتم النبیین ﷺ تعریف و توصیف میں پوری کائنات رطب اللسان ہے، آپ کی تعریف و توصیف کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے شعراء و ادباء نے رسول اکرم محمد عربی ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کی مگر سب نے اس مصرعہ پر دم ختم کر دیا:

''بعد از خدا بزرگ توایں قصہ مختصر''

پوری دنیا میں جس کی تکریم کا آواز بلند ہو رہا ہو، مساجد کے مینار جس کی نبوت و رسالت کی گواہی دے رہے ہوں، زمین جس کی تعظیم سے گونج رہی ہو، آسمان جس کی توقیر میں محو درود ہو، کون و مکاں جس کی ثناء خوانی کر رہے ہوں، سبحان اللہ کیا شان ہے! محبوب کبریا ﷺ کی، خالق کائنات خود رسول کی رفعت شان کا اعلان کر رہا ہے۔

اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ (سورہ الانشراح)

اسم محمد ﷺ کے حسن معنوی، کمال مخفی اور جمال لفظی، الفاظ و کلمات سے ممکن نہیں، اس عظیم و بابرکت نام کے تلفظ و ادا سے جو حسین و دلکش آواز عطر بیز سماعت ہوتی ہے وہ حیات و کائنات کے لیے نقش دام بن جاتی ہے۔

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہوجائے
جب ان کا نام آئے **مرحبا صل علیٰ** کہیے

آپؐ خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں، پیغام الٰہی اور وحی آسمانی کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہوگیا۔ قرآن مجید نے واشگاف الفاظ میں قیامت تک کے لیے اعلان کر دیا۔ ''نہیں ہیں محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے (سلسلے کو) ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورہ الاحزاب)

''اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔'' (سورہ الاعراف)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کیلئے ہے، آپ ﷺ ہی خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں اور آپؐ کی حیات مبارکہ پوری انسانی کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ آپ کا مقام حق تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ وہ سننے والا اور بخوبی جاننے والا ہے۔'' (سورہ الحجرات)

دربار رسول ﷺ میں عرض و نیاز پیش کرنے کے آداب کی تلقین کے ساتھ قرآن واضح کرتا ہے کہ محفل نبویؐ میں ''سرگوشی'' کان میں چپکے چپکے باتیں، باہم کھسر پھسر کرنا،

دین حق کا مذاق اڑانا، خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر بجائے ہدیہ سلام وتحیہ پیش کرنے کا لفظ ''سلام'' تبدیل کر کے معاذ اللہ یہود ومنافقین کی طرح گستاخانہ کلمات زبان سے نکالنا، اللہ کے نزدیک بدترین گناہ اور نا قابل معافی جرم ہے، جس پر نار جہنم کی دائمی سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے محمدؐ، کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی سے منع کیا گیا تھا، پھر بھی وہی کام کرنے لگے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ وہ گناہ، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور (اے پیغمبر ﷺ) جب وہ آپؐ کے دربار میں آتے ہیں تو آپ کو ایسے الفاظ سے (نعوذ باللہ) سلام کرتے ہیں، جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ (اگر واقعی یہ سے رسول ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں، اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا (یقیناً) ان کے لیے دوزخ کافی ہے، جس میں یہ لوگ ضرور داخل ہوں گے اور (یہ بہت ہی) برا ٹھکانا ہے۔'' (سورہ المجادلہ)

غرض بارگاہ سید الکونینؐ میں ادنیٰ سی ایذا رسانی، قہر الٰہی اور رسوا کن عذاب کا موجب ہے۔ ارشاد رب العزت ہے، ''بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا وآخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے۔'' (سورہ الاحزاب)

ختم نبوت کے منکرین اور شاتمین رسول ﷺ پر حق تعالیٰ کے غیظ وغضب اور قہر و جلال کا اندازہ تو 'سورہ القلم' کی ان دس آیات سے لگایا جا سکتا ہے، جن میں ولید بن مغیرہ کی صفات ذمیمہ کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون جنون میں مبتلا ہے۔ تمہارا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہی انہیں بھی اچھی طرح جانتا ہے جو راہِ راست پر ہیں، لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ، یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو وہ بھی مداہنت کریں، ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، بے وقعت آدمی

ہے۔ طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم وزیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بداعمال ہے، جفا کار ہے، اور ان سے عیوب کے ساتھ بداصل (والد الحرام) ہے۔ اس بناء پر کہ وہ بہت مال واولاد رکھتا ہے۔ ہماری آیات جب اسے سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔ ہم عنقریب اس کو سونڈ پر داغ لگائیں گے (ناک کو سونڈ کہا گیا ہے اور ناک پر داغ لگانے سے مراد تذلیل وتحقیر ہے) یعنی دنیا وآخرت میں اسے ایسا ذلیل وخوار کریں گے کہ ابد تک یہ عار اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ (سورہ القلم)

آیات مذکورہ سے واضح ہوا کہ ایک شاتم وگستاخ رسول ﷺ درج ذیل بدترین صفات کا حامل ہوتا ہے۔

مکذب	انتہائی جھوٹا	**حلّاف**	جھوٹی قسمیں کھانے والا
مُھین	نہایت حقیر وذلیل شخص	**الھمّاز**	بہت زیادہ طعن کرنے والا، عیب گو
منّاع للخیر	ہر نیک کام سے روکنے والا	**معتد**	حد سے تجاوز کرنے والا، تعدی کرنے والا
الیم	نہایت گناہگار، گناہ کرنے والا	**عُتل**	جھگڑالو، بدخلق اور سفاک، ظالم
زنیم	بداصل، بدنسل، ولدالحرام		

شان رسالت مآب ﷺ میں کسی بھی نوع کی توہین، تضحیک، استہزاء اور گستاخی کی جو سزا آخرت میں ملنی ہے، وہ تو ضرور ملے گی لیکن اس دنیا میں بھی وہ بدبخت اور لعین رب ذوالجلال کے قہر وغضب سے ہرگز نہیں بچ سکے گا کیونکہ اس خدائے غیور کا اپنے محبوب مکرم ﷺ سے وعدہ ہے! (شمارہ: اگست، ستمبر 2010)

اپنے کعبہ کی حفاظت!

اپنے کعبہ کی حفاظت تمہیں خود کرنی ہے
اب ابابیل کا لشکر نہیں آنے والا

جب ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں یمن کا بادشاہ ابرہہ ۶۰/ ہزار فوج اور دو درجن سے

زائد ہاتھی لے کر خانہ کعبہ پر حملہ کی غرض سے روانہ ہوا تو حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق مقام ’الصِّفاح‘ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد محترم عبدالمطلب اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کوئی چیز مطلوب تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے، ہم خود لیکر آپ کے پاس حاضر ہوجاتے۔ ابرہہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ یہ گھر ’امن‘ کا گھر ہے، میں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں۔ جناب عبدالمطلب نے کہا یہ اللہ کا گھر ہے اور آج تک اس نے کسی کو اپنے گھر پر مسلط نہیں ہونے دیا ہے۔ ابرہہ نے جواب دیا ہم اسے منہدم کئے بغیر واپس نہیں ہوں گے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ آپ جو چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر اس نے انکار کر دیا اور اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ابرہہ کی لشکرگاہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے اہل قریش سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں پر چلے جاؤ تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو، پھر عبدالمطلب چند سرداران قریش کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور کعبہ کے دروازہ کا کنڈا پکڑ کر دعائیں مانگیں۔ اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے مگر ان سرداروں نے صرف خدائے واحد کے سامنے دست سوال دراز کیا۔

یا ربّ لا ارجو لھم سواکا
یا ربّ فامنع منھم حماکا
ان عدو البیت من عاداکا
امنعھم ان یخربو اقراکا

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی پہاڑوں پر چلے گئے۔ جبکہ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق ابرہہ کا لشکر قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض

نہ کروں گا۔ اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکے کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، وہ اس پر راضی ہو گئے۔ عبدالمطلب اِس قدر وجیہ اور شاندار شخص تھے، ان کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا، پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں وہ واپس دیدیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا، مگر اس بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دینِ آبائی کا مرجع ہے، اِس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اُنہی کے بارے میں درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر، تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرلے گا۔ ابرہہ نے جواب دیا وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔ دوسرے روز ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا، مگر اس کا خاص ہاتھی ’محمود‘ جو آگے تھا یکا یک بیٹھ گیا، اس کو بہت تبر مارے گئے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، جب اسے جنوب، شمال اور مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا مگر مکے کی طرف موڑا جاتا تو وہ فوراً بیٹھ جاتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے ہوئے آئے اور لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی۔ جس پر بھی یہ کنکر گرتے اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا۔ محمد بن اسحاق اور حضرت عکرمہؓ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا اور بلاد عرب میں سب سے پہلے چیچک اسی سال دیکھی گئی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی اور کھجاتے ہی جلد (چمڑی) پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا، خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔

افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گر گر کر مرتے رہے، ابرہہ بھی ہلاک ہوگیا۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف یہی سزا دینے پر اکتفانہ کیا بلکہ تین چار سال کے اندر یمن سے حبش اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور واقعہ فیل کے بعد یمن میں ان کی طاقت ٹوٹ گئی۔

قارئین کرام! اس واقعہ کی یاد دہانی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ 6 دسمبر 1992ء میں ملک کی شان تاریخی بابری مسجد ہندوشدت پسندوں کے ذریعہ شہید کردی گئی۔ پوری دنیا نے اپنی کھلی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھا۔ ہم اس وقت اتنے بے یارومددگار تھے کہ کچھ نہیں کرسکے۔ بالکل چپ رہے، خاموش احتجاج کیا۔ مگر دنیا نے اس واقعہ کی شدید مذمت کی۔ اس وقت ہم نے بھی خوب دعائیں مانگی، رو، روکر بارگاہ ایزدی میں التجا کی مگر ہماری دعاؤں میں کوئی اثر نہیں، کیا کبھی ہم نے اس بات پر بہت سنجیدگی سے غور کیا کہ خدائے پاک نے ہماری ایک نہ سنی، ہمیں دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا کیا؟ اہل قریش تو ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر بھی انہوں نے خدا سے مدد مانگی، اللہ نے ان کی بھرپور مدد کی اور اصحاب فیل کو تہس نہس کردیا۔ لیکن ہماری رسوائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۰ء کو بابری مسجد ملکیت کا جو فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ نے سنایا وہ تاریخ پر بدنما داغ ہے جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ ہمیں وہاں بھی ناکامی اور نامرادی ہاتھ آئی۔ اس کی اہم وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہمارے اندر نہ وہ ایمانی قوت ہے اور نہ خلوص وللّٰہیت، ہماری قوم میں ایمان فروشوں، دلالوں اور مذہب کا سودا کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اس لئے ہمیں ہر جگہ شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر قوم نے اب بھی ہوش کے ناخن نہیں لئے تو بقول علامہ اقبالؒ ؎

تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

پیارے دوستو! نبی آخر الزماں محمد ﷺ سے قبل اگر کسی نبی اور رسول کو سخت سے سخت ابتلاء وآزمائش سے گزرنا پڑا ہے تو وہ آپؐ کے جد امجد سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی ذات

گرامی ہے۔ آپ کی پوری زندگی ابتلاء وآزمائش سے لبریز اور آپ کی زیست مبارک کا اکثر وبیشتر حصہ مصائب وآلام میں گھرا ہوا ہے۔ محبوب بارگاہ الٰہی کے ساتھ خدائے پاک کا معاملہ دیگر تمام انسانوں جیسا نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کو امتحان وآزمائش کی سخت ترین راہوں سے گزرنا پڑتا ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے

''ہم جماعت انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں''

حضرت ابراہیمؑ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، اس وجہ سے آپ کو بھی مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ ہر امتحان میں کامیاب وکامران ہوتے گئے۔ اس وقت بھی جب بادشاہ وقت نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا، آپ ثابت قدم رہے اور صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ پھر جب خالق کائنات نے حضرت ہاجرہ کو حضرت اسماعیل کے ساتھ فاران کے بیابان میں چھوڑ کر آنے کا حکم دیا تو آپ نے بخوشی اس حکم کی تعمیل فرمائی۔ کتنی سخت اور جانکاہ آزمائش کی گھڑی تھی۔ اپنے بڑھاپے اور پیری کے سہارا، رات و دن کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے اکلوتے چشم وچراغ حضرت اسماعیلؑ کو صرف اور صرف حکم الٰہی کی تعمیل وامتثال میں ایک بے آب وگیاہ صحرا میں چھوڑ آئے اور پھر ان کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ شاید کہیں شفقت پدری جوش میں آجائے اور تکمیل امر الٰہی میں کوئی لغزش واقع ہو۔ ان سب دشواریوں کو عبور کرنے کے بعد ایک اور امتحان جو سب سے زیادہ زہر گزار اور جاں گسل امتحان تھا وہ ابھی باقی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے مسلسل تین شب خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابراہیمؑ تم ہماری راہ میں اپنے لاڈلے بیٹے کی قربانی دو۔ انبیاء کا خواب رویاء صادقہ، اور وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے آپ رضا وتسلیم کا پیکر بن کر تیار ہوگئے۔ مگر یہ معاملہ محض آپ کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ اس امتحان کا دوسرا جز وہ بیٹا تھا، جس کو راہِ خدا میں قربان کرنا تھا۔ اس لیے آپ نے خواب اور فیصلۂ خداوندی سے اپنے فرزند کو آگاہ کیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے بھی فوراً تسلیم خم کردیا اور کہا اگر خدا

کا یہی حکم ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔ اس کے بعد سیدنا حضرت ابراہیمؑ بیٹے کی قربانی پیش کرنے کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔ مقام مخصوص پر پہنچ کر انہوں نے مذبوح جانور کی طرح حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھ پیر باندھ کر چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے۔

فوراً خدا کی طرف سے وحی کا نزول ہوا۔ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیشک یہ بڑی سخت اور کٹھن آزمائش تھی مگر تم نے اسے سچ کر دکھایا۔ اب تم ننھے اسماعیل کی جگہ اس مینڈھے کو قربان کرو، ہم نیک لوگوں کو اسی طرح نوازتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے خدائے وحدہ لاشریک لہ کا شکریہ ادا کیا اور وہاں پر موجود مینڈھے کو راہ خدا میں ذبح کیا۔ یہ قربانی بارگاہ الٰہی میں ایسی مقبول اور معظم ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی اسی تاریخ (دس ذی الحجہ) کو عالم اسلام میں کی جاتی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اسی جذبہ صادق کے ساتھ اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائے۔ (نومبر/دسمبر ۲۰۱۰ء)

روشن خیال بہتر معاشرہ کی تشکیل کیلئے ناسور

چار جنوری کو پڑوسی ملک پاکستان میں ایک عبرت انگیز واقعہ اس وقت پیش آیا جب صوبہ پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کا اسلام آباد میں ایک سیکورٹی اہلکار ممتاز حسین قادری نے قتل کر دیا۔ اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے قادری نے کہا کہ اس نے یہ حملہ صرف اس لئے کیا کہ گورنر پنجاب نے ناموس رسالتؐ قانون کو ایک ''سیاہ قانون'' کہا تھا اور میں غلام مصطفیٰ ہوں اس بات کو کیسے برداشت کرتا کہ کوئی آقائے نامدار کی شان میں گستاخی کرے اور میں تحفظ ختم نبوت کیلئے کچھ نہ کروں۔ قابل استعجاب امر یہ ہے کہ دینی تعلیم سے بے رغبتی اور روشن خیال کے زعم میں اعلیٰ طبقہ کے مسلمان بھی ختم نبوت پر بیان بازی کرنے لگے ہیں۔ ایک معروف صحافی کے بقول ''ہمارے ایک شناسا کا انتقال ہوا، ان کی تدفین میں

شرکت کے لئے کئی صاحب آئے تھے، کسی صاحب نے قریب بیٹھے ایک مولوی سے دریافت کیا، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ختم نبوت کا مسئلہ آخر ایسا شدید ہے کہ ملاّ، لوگوں کو ایمان سے خارج کر دیتے ہیں، کہیں ان کا یہ سیاسی ایجنڈہ تو نہیں؟ مولانا نے کہا! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ختم نبوت پر ایمان کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، یہ تو اللہ کا حکم ہے۔ کیا کسی مسلمان سے اس قسم کے سوال کی توقع کی جاسکتی ہے جبکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی، قرآن آخری کتاب ہے اور اس پر ایمان لانے والا ہی مسلمان کہلاتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اپنی نبوت کی علامات پیش کروں، اس پر حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا جو شخص اس سے نبوت کی علامت طلب کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔ لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے درمیان ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں جو اسلام کے بنیادی عقائد کو بلا جھجھک ملاّ اور مولوی کی بات کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

مملکت خداداد پاکستان میں جہاں اہانت رسولؐ کے مرتکب کی سزا موت ہے وہاں اس قسم کے واقعات کا ظہور حیرت کی بات ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ اور رسالت مآبؐ سے حد درجہ وارفتگی اور عقیدت و محبت کو صرف مولوی، ملاؤں کے ساتھ وابستہ کرنے کا جرم کرنے والے روشن خیال لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ اور حرمت کے ابدی سفر کا آغاز عہد رسالتؐ میں صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا تو آج تک جاری ہے، محبوب کبریاؐ سے عقیدت و محبت کی یہ قابل افتخار میراث امت محمدیہ کو صحابہ کرام سے ملی، محبت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی اتباع و اطاعت پر آمادہ کرتی ہے۔

عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنا سفیر مقرر کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا، اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات کو غور سے دیکھے اور قوم کو آگاہ کرے۔ عروہ نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وضو فرماتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہ یوں گرتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے، مستعمل پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی روک لیا جاتا ہے، جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ عمل کیلئے دوڑ پڑتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آکر یوں بیان کیا۔ لوگوں میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر کا دربار بھی، نجاشی کا دربار بھی دیکھا مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمدؐ کی کرتے ہیں وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کی یہ قابل افتخار میراث آج بھی مسلمانوں کا سرمایہ ایمان ہے۔ جانثاری کا یہ سفر انشاء اللہ آخری ساعتوں تک جاری، ناموس رسالت پر پروانہ وار قربان ہونے کا جذبہ اہل ایمان کی دھڑکن بن کر تا قیامت سلامت رہے گا۔

توجہ طلب امر یہ ہے کہ جب عالم انسانیت کا عام فرد انسان ہونے کے سبب احترام وتکریم کا مستحق ہے تو ایک ارب چالیس کروڑ مسلمانوں کے دلوں کے حاکم اور عالم انسانیت کے ہادی نبی آخر وآعظم، اس احترام انسانیت کے بدرجہا مستحق ہیں۔ اس لئے آپؐ کا احترام پوری انسانیت کا احترام ہے اور نعوذ باللہ آپ کی شان اقدس میں توہین پوری انسانیت کی توہین اور احترام وتکریم کے منافی عمل ہے۔ اس لئے روشن خیال اور ملحدانہ فکر کے حامل لوگوں کو بیان بازی سے حد درجہ اجتناب کی ضرورت ہے کہ تحفظ ناموس رسالت کے پروانوں کی جانثاری کا باب نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ کبھی بند ہوگا۔

نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ طیبہؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

(جنوری رفروری ۲۰۱۱ء)